شکست خواہ کتنی ہی بڑی ہو، ہمیشہ وقتی ہوتی ہے اور دوبارہ
زیادہ بہتر منصوبہ بندی کے ذریعہ اس کو فتح میں تبدیل کیا جاسکتا ہے

شمارہ ۳۵
اکتوبر ۱۹۷۹

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ دو روپے

جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی 110006

فہرست

زمین اللہ کی عجیب نعمت	۲	شکایت پر ایکشن نہیں	۱۳
خدا اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوگا	۲	ایک تاثر	۱۳
خوش خیالیاں نہیں بچائیں گی	۳	تقویٰ کی حقیقت	۱۴
وہ بد کے ہوئے جانور ہیں	۴	توبہ ایک سنجیدہ فیصلہ	۱۶
ملت کا درخت اگانے کے لئے	۶	جہنم میں کون جائے گا	۱۸
آخری سین کا انتظار کیجئے	۷	اعمال اکارت ہوجائیں گے	۱۹
آدمی بدل جاتا ہے	۷	تذکیر القرآن	۲۰
آنے والا طوفان	۸	تنقید وہم کا نتیجہ	۲۹
آسانی مشکلوں کے بعد	۹	لفظوں سے معرکے	۲۹
اپنی کمیوں کو جانئے	۹	اسلام ہر زمانہ کے لئے	۳۰
اللہ کا ذکر	۱۰	منافقین کے بارے میں	۳۲
دشمن اچھے ہیں	۱۲	اجتماعی آداب	۳۳
جو آگے تھا پیچھے ہوگیا	۱۲	غیر مسلم کا مضمون سیرت پر	۳۴
تاریخ انقلاب نہ بن سکی	۱۲	ایجنسی الرسالہ	۴۵

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

زمین: اللہ کی عجیب وغریب نعمت

روس نے اپنے خلائی جہاز (Salyut 6) پر دو خلا باز ولادیمیر لیاخوف اور ویلیری ریومین ادیر بھیجے۔ پروگرام کے مطابق ان کو تقریباً چھ ماہ تک خلا میں رہنا تھا۔ آخری ایام میں جب کہ وہ اپنے خلائی سفر کی مدت پوری کرکے اپنے وطن واپس آنے والے تھے، زمینی اسٹیشن سے بات کرنے والے نے ان سے پوچھا: آج کل آپ لوگوں کے احساسات کیا ہیں۔ ایک خلا باز نے خبر رساں ایجنسی اے پی کے مطابق، فوراً کہا:

What are we dreaming about. Well, we want very much just to put our feet on the ground again.

The Indian Express, August 16, 1979

ہم آجکل کیا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہاں، وہ یہ ہے کہ ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد وہ وقت آئے جب کہ ہم زمین پر دوبارہ اپنا قدم رکھیں۔ یہ دونوں روسی خلا باز ۱۷۵ دن خلا میں چکر لگانے کے بعد زمین پر واپس آئے ہیں۔ تقریباً نصف سال تک بے وزنی کی حالت میں رہنے کے بعد وہ دونوں مدہوش اور سراسیمہ سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی نیند غائب ہو گئی ہے۔ خلا میں خوف و دہشت کی وجہ سے وہ بہت کم سو سکے تھے۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنایا ہے اور اس پر ہمارے لئے جو موافق حالات جمع کئے ہیں وہ ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہیں۔ ساری معلوم کائنات میں انسان جیسی مخلوق کے لئے کوئی بھی دوسرا ٹھکانا نہیں۔ اللہ کی اس عظیم نعمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ آدمی زمین سے محروم کر دیا گیا ہو، ٹھیک ویسے ہی جیسے فاقہ گزرنے کے بعد آدمی صحیح طور پر جانتا ہے کہ کھانا آدمی کے لئے کیسی قیمتی چیز ہے۔

جب خدا اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوگا

۱۲ر اگست ۱۹۷۹ کی خبر ہے کہ جیک مگلور سے ۴۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں جنگلی ہاتھیوں کا ایک ریوڑ گھس آیا اور چنگھاڑنے لگا۔ ان کی ہیبت ناک چنگھاڑ کو سن کر قصبہ کی تین عورتیں مرگئیں۔ بہت سے لوگ جو بچنے کے لئے بھاگ رہے تھے، راستہ میں ٹکرا کر زخمی ہو گئے۔

یہ ہاتھی کے چنگھاڑ کا حال ہے جو خدا کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ پھر اللہ رب العالمین کی چنگھاڑ کا حال کیا ہوگا جب وہ اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اگر اس آنے والے دن کو سوچ لے تو اس کی چلتی ہوئی زبان بند ہو جائے جس کے الفاظ کا ذخیرہ آج بظاہر ختم ہونے والا نظر نہیں آتا۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ رک جائیں جس کو اخلاق اور انسانیت کا ہر دعظ روکنے میں ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

خدا کی پکڑ سے نہ خوش خیالیاں بچا سکتی ہیں اور نہ تقریری مشاعرے

دنیوی چیزوں کو مقصود بنانے کا نام بے دینی اور آخرت کو مقصود بنانے کا نام دین ہے۔ عام قومیں دنیا کو دنیا کے نام پر کرتی ہیں۔ مسلمان کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دنیا کو دین کے نام پر کرنے لگے۔

مسلمانوں کا بگاڑ اس قسم کا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ دین کا نام لینا چھوڑ دیں۔ ایسا بگاڑ نہ پچھلی امتوں میں کبھی ہوا اور نہ مسلمانوں میں کبھی ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دنیا پرستی کی راہ پر چل پڑیں اور اس کو دین کا عنوان بتائیں۔ دین حقیقۃً آخرت رخی زندگی کا عنوان ہے نہ کہ دنیا رخی زندگی کا۔

مسلمانوں کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دین کو اپنی آل اولاد اور کاروبار میں برکت کا سستا آسمانی نسخہ سمجھنے لگیں۔ وہ دوسری قوموں کی طرح اپنے قومی اور معاشی مسائل پر ہنگامے کھڑے کریں اور یہ اعلان کریں کہ ہم خیر امت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کی تحریکیں چلائیں اور دعویٰ کریں کہ وہ اس خدائی مشن کے لئے متحرک ہوئے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر دنیا میں بھیجے تھے۔

دوسری قومیں جو کام دنیا داری کے نام پر کر رہی ہیں، اسی کو مسلمان دین داری کے نام پر کرنے لگیں تو اس کی وجہ سے وہ کام دین کا کام نہیں بن جائے گا۔ دنیا کا فائدہ، دنیا کی عزت اور دنیا کے اقتدار کے پیچھے دوڑنا اور اپنی ان سرگرمیوں کو دینی الفاظ میں بیان کر کے اس کو دین کا کام ظاہر کرنا، مسلمانوں کو خدا کے یہاں کسی انعام کا مستحق نہیں بناتا۔ بلکہ ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتا ہے۔ اپنی اس قسم کی سرگرمیوں کے ذریعہ وہ دوہرے مجرم بن رہے ہیں۔ ایک دنیا پرستی کو اختیار کرنا، دوسرے دینی تعلیمات کو غلط معنی پہنانا اور اس طرح اہل عالم کے سامنے دین کی غلط گواہی دینا۔

دین اصل میں خدا پرستی اور آخرت طلبی کا نام ہے۔ دین داری یہ ہے کہ آدمی کی زندگی آخرت رخی زندگی بن جائے۔ وہ جن حالات میں ہو اور جن ذمہ داریوں کے درمیان اپنے آپ کو پائے ان میں وہ خدا پرستی اور انصاف کے طریقہ پر قائم رہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھے۔ اور دنیا میں جو معاملہ کرے یہ سوچ کر کرے کہ بالآخر اس کو اپنی تمام کارروائیوں کے لئے اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ کسی بھی قسم کی خوش اعتقادی ہم کو آخرت میں خدا کی پکڑ سے بچا نہیں سکتی اور نہ اسلام کے نام پر تقریری مشاعرے ہم کو خدا کے یہاں خادم اسلام کا مقام عطا کر سکتے ہیں۔

کیا وہ بدکے ہوئے جانور ہیں جو واپس آنا نہیں جانتے ــــــ

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ○ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ○ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ○ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ○ كَلَّا بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ○ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ○ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ○ (مدثر، آخر)

ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شور سن کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے ورق دے دئے جائیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ ہرگز نہیں، یہ تو یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

اللہ اپنے دین کی پیغام بری کے لئے ہمیشہ ایسے شخص کو چنتا ہے جس کے جاننے والے اس کو ایک پسندیدہ شخص کی حیثیت سے جانتے ہوں۔ جس کی صلاحیت اور صالحیت کی وجہ سے اس کے لوگوں نے اس کے بارے میں اونچی اونچی امیدیں باندھ رکھی ہوں (ہود ۶۲) مگر جب وہ حق کی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو اچانک لوگ اس سے بدک جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی دعوت بے آمیز حق کی دعوت ہوتی ہے اور بے آمیز حق انسان کے لئے ہمیشہ سب سے زیادہ مبغوض چیز رہا ہے۔ پیغمبر کی بے آمیز دعوت ان تمام لوگوں کو متوحش کر دیتی ہے جو ملاوٹی دین یا خود ساختہ مذہب کے اوپر اپنی زندگی کی تعمیر کئے ہوئے تھے۔

انسان کی گمراہی کبھی یہ نہیں رہی ہے کہ وہ ناحق کا علم بردار بن کر کھڑا ہوا ہو۔ انسان کی گمراہی یہ ہے کہ وہ حق کے ساتھ ناحق کو ملائے ہوئے ہو۔ وہ حق کا نام لے مگر اسی کے ساتھ اپنی عقیدتوں اور وفاداریوں کو اس نے ناحق کے لئے خاص کر رکھا ہو۔ پیغمبر کی بے آمیز دعوت اٹھتی ہے تو ہر ایک کو اس میں اپنا حقیقی چہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ ہر ایک کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے اس نازک مقام پر ضرب لگا رہی ہے جہاں وہ حقیقۃً جی رہا تھا ــــ کسی کو اپنی شخصیت کا بت گرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کسی کو اپنے دلائل کا غبارہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ کسی کو اپنی شان وشوکت بے رونق ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ کسی کو ایسا لگتا ہے کہ اگر اس نے اس حق کو مان لیا تو اس کو اپنے بنے بنائے ڈھانچہ کو اجاڑ دینا پڑے گا۔ ان وجوہ سے لوگ اس کی آواز سے اس طرح بدک جاتے ہیں جیسے کوئی تصویری شیر اچانک زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے اور لوگ اس کے مہیب وجود کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوں۔

تاہم بدکے ہوئے لوگ اپنے کو برسرِ حق ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی باتیں نکالتے ہیں: سچائی کے اعلان کے لئے کیا اسی معمولی شخص کا انتخاب کیا جانا تھا، اس کے بجائے ان "اکابر" کا انتخاب کیوں نہ کیا گیا

جن کی کبریائی مسلم ہو چکی ہے۔ اگر یہ سچائی ہے تو وہ ایک ہی شخص پر کیوں اتری، ہم میں سے ہر شخص کے پاس خدا کا ایک کھلا خط کیوں نہ آگیا۔ وغیرہ۔ مگر یہ سب کوئی واقعی مطالبہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ حق اور ناحق کو جاننے کے معاملہ میں وہ سنجیدہ نہیں ہیں۔ ان کے حالات نے ان کو جس مذہب تک پہنچا دیا ہے، اس کو وہ پکڑے ہوئے ہیں۔ اپنے ذوق اور مزاج کے لحاظ سے انھوں نے ایک دین گھڑ لیا ہے اور کچھ ہم خیال لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اس کے چیمپین بنے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مفاد اور اپنی حیثیت کو باقی رکھنے کے معاملہ میں سنجیدہ ہیں اس لئے اس کے تقاضے وہ خوب سمجھ لیتے ہیں۔ اس کے برعکس حقیقی سچائی کے معاملہ میں وہ سنجیدہ نہیں، اس لئے روشن دلائل اور واضح تصدیقات کے باوجود وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ دنیا کے اندیشہ کو وہ جس طرح محسوس کرتے ہیں اسی طرح وہ آخرت کے اندیشے کو محسوس کرتے تو صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو فوراً نہیں بدکتے۔ وہ ابتداءً دعوت کو پسند کرتے ہیں۔ وہ داعی کے اعلیٰ اسلوب اور اس کے پیغام کی عمومی کشش کی وجہ سے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی نفسیاتی کمزوریوں سے اوپر اٹھے ہوئے نہیں ہوتے۔ چنانچہ کوئی نہ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے جب کہ وہ کسی چیز کو اپنے خلاف مزاج پاکر بدک جاتے ہیں اور پھر ایسا بھاگتے ہیں کہ واپسی کا نام نہیں لیتے۔ جب کبھی ان کے ان تعصبات پر زد پڑتی ہے جن کو انھوں نے عرصہ سے پال رکھا ہے۔ جب ان کی چھپی ہوئی وفاداریوں میں سے کسی وفاداری کو ٹھیس پہنچ جاتی ہے۔ جب دعوت ان کی اس "انا" کو چھو دیتی ہے جس کو وہ خدا پرستی کے ظاہری پردہ کے پیچھے چھپائے ہوئے تھے تو اچانک وہ متوحش ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اوپر نظر ثانی کرنے کے بجائے خود دعوت کو قابل نظر ثانی سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ کسی شخص کی زندگی میں بہت نازک لمحہ ہوتا ہے۔ اگر اس کی فطرت زندہ ہے تو وہ زور کرے گی اور ابتدائی توحش کے بعد دوبارہ وہ حق کی رسی کو پہلے کی طرح مضبوطی سے پکڑ لے گا اور اگر فطرت کی چنگاری بجھ چکی ہے تو وہ ایک بار بدکنے کے بعد بدکتا ہی جائے گا اور پھر کبھی واپس نہیں ہوگا۔

اللہ نے یہ دنیا امتحان کے لئے بنائی ہے۔ اس لئے حق کو یہاں بالکل عریاں شکل میں پیش نہیں کیا جاتا، بلکہ اس پر شبہ کا پردہ رکھ کر اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ایسے شخص کی زبان سے بلند ہوتا ہے جو خود انھیں جیسا ایک انسان ہوتا ہے۔ پیغام کو انسانی زبان میں بیان کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ یہ امکان رہتا ہے کہ آدمی اس کو رد کرنے کے لئے کچھ خوبصورت الفاظ تراش لے۔ اس آواز کو ہمیشہ ظاہری حیثیت سے غیر اہم حلقوں سے اٹھایا جاتا ہے تاکہ یہ جانچا جا سکے کہ آدمی معنوی حقیقتوں کو اہمیت دیتا ہے یا ظاہری تماشوں کو۔ حق کا پیغام ایک نصیحت ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ نصیحت ہی کی زبان میں سامنے لایا جاتا ہے نہ کہ کسی مجبور کر دینے والے اسلوب میں۔

بہت سے دلائل محض غافل قلب سے نکلے ہوئے بے معنی الفاظ ہوتے ہیں نہ کہ حقیقۃً دلائل۔ جو آخرت سے ڈرنے والے ہیں وہ اس احساس کے تحت بولتے ہیں کہ ان کی ہر بات کا سننے والا سب سے پہلے خدا ہے۔ وہ الفاظ رکھتے ہوئے بھی بے الفاظ ہو جاتے ہیں۔ بجائے کہ اپنی ظالمانہ روش کو درست ثابت کرنے کے لئے الفاظ کا قاموس دہرانے لگیں۔

ملت کا درخت اگانے کے لئے

سابق صدر امریکہ جان ایف کنیڈی نے ایک بار لاوٹے (Lyautay) کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا اپنا ایک قصہ نقل کیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

> (I) once asked (my) gardener to plant a tree. The gardener objected that the tree was slow growing and would not reach the maturity for a hundred years. (I) replied : "In case there is no time to loose, plant it in the afternoon..............."
>
> Chartered Accountant (Supplement)
> New Delhi, June 1979

میں نے ایک بار اپنے باغبان سے ایک درخت کا پودا لگانے کے لئے کہا۔ باغبان نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ درخت بہت دھیرے دھیرے بڑھتا ہے اور اس کو پورا درخت بننے میں ایک سو سال لگ جائیں گے۔ میں نے جواب دیا: ایسی حالت میں تو ہم کو بالکل وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ تم آج ہی دوپہر بعد اس کا پودا لگا دو۔

اسلام کا احیاء اور ملت کی تعمیر ایک طویل المدت منصوبہ ہے۔ فرد اور اجتماع کی سطح پر بے شمار اسباب فراہم کرنے کے بعد وہ وقت آتا ہے جب کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ زندہ ہو اور ملت ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے زمین پر اپنی جگہ حاصل کرے۔ مگر جب اس قسم کا منصوبہ پیش کیا جاتا ہے تو کہنے والے فوراً کہہ دیتے ہیں: یہ تو بڑا لمبا منصوبہ ہے۔ اس کو پورا ہونے میں سو سال لگ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو ہمارا جواب صرف ایک ہے: جب ایسا ہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا وقت کھونا نہیں چاہئے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم آج ہی پہلی فرصت میں اپنا "درخت" نصب کر دیں۔

ایک طاقتور درخت ہمیشہ "سو سال" ہی میں تیار ہوتا ہے۔ اس لئے جو شخص طاقتور درخت کا مالک بننا چاہتا ہو اس کے لئے سو سالہ باغبانی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر وہ ایسا کرنے کے بجائے سڑکوں پر نکل کر "درخت ستیہ گرہ" شروع کر دے۔ یا کسی میدان میں جمع ہو کر "باغ اسلام زندہ باد" کے نعرے لگانے لگے تو یہ ایک احمقانہ حرکت ہوگی جس سے نہ کوئی درخت اگے گا اور نہ وہ باغ والا بنے گا۔ اس کا واحد انجام صرف یہ ہے کہ وہ اس وقت کو مزید ضائع کر دے جو درخت اگانے کے لئے اس کو قدرت کی طرف سے حاصل تھا۔ آپ کے پاس مکان نہ ہو اور آپ سڑک پر کھڑے ہو کر پھلجھڑی چھوڑنے لگیں تو اس سے آپ شہر میں ایک مکان کے مالک نہیں بن جائیں گے۔ اسی طرح ملت کا نام لے کر کچھ لوگ سیاسی شعبدہ بازی کرنے لگیں تو اس قسم کے شعبدوں سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ زمین پر ملت کا قلعہ کھڑا ہو جائے۔ اشعار کی دنیا میں صرف تک بندیوں کے ذریعہ بڑے بڑے انقلاب لائے جا سکتے ہیں۔ ایک خطیب اپنے پرجوش الفاظ کے ذریعہ آناً فاناً ایک پنڈال کو شاندار کامیابیوں کے آسمان پر پہنچا سکتا ہے۔ مگر ایک حقیقی واقعہ کو ظہور میں لانا ایسا صبر آزما کام ہے جو طویل منصوبہ بندی اور مسلسل جد و جہد کے بغیر ممکن نہیں۔

آخری سین کا انتظار کیجئے

قدیم یونان میں جو ڈرامے لکھے گئے، وہ اکثر پانچ ایکٹ (باب) پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور ان کا ایک کردار کوئی ظالم اور سفاک آدمی ہوتا ہے۔ ایک شخص ایک ڈرامے کو پڑھ رہا ہے۔ اس نے تین ایکٹ ختم کر لئے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ظالم اپنے سارے ظلم کے باوجود کامیاب ہوتا جا رہا ہے۔ وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ مگر جو شخص ڈرامے کی پوری کہانی جانتا تھا، اس نے کہا:

WAIT FOR THE LAST ACT

آخری ایکٹ (باب) کا انتظار کرو۔ چنانچہ پڑھنے والا جب آخری ایکٹ پر پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حالات ظالم کے خلاف ہو گئے۔ اور اس کا خاتمہ بالآخر اسی برے حال میں ہوا جو انسان کا ضمیر ایک ظالم انسان کے لئے چاہتا تھا۔

یہی بات اس طویل تر کہانی کے لئے بھی صحیح ہے جو زمین پر دہرائی جا رہی ہے۔ جن لوگوں کے اندر اخلاقی احساس زندہ ہے، وہ زمین کے حالات کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں — یہاں استحصال کرنے والے پھلتے پھولتے ہیں۔ یہاں بے انصافی کرنے والے انصاف اور انسانیت کا کریڈٹ لے رہے ہیں، یہاں ظاہر دار اور مصلحت پرست کامیابی کے منازل طے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں آدمی اپنی ہر بیہودگی کو جائز ثابت کرنے کے لئے شاندار الفاظ پا لیتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ کہہ اٹھتے ہیں: "یہ دنیا کیا ظالموں اور بے انصافوں کے لئے بنائی گئی ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ — ڈرامے کے آخری سین کا انتظار کیجئے۔ دنیا آج جیسی کچھ بھی نظر آتی ہو مگر اس کا خاتمہ یقیناً کامل انصاف پر ہوگا۔ اور اس وقت کے آنے میں زیادہ دیر نہیں۔

آدمی بدل جاتا ہے

ترکی کے ابتدائی سلاطین بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ حتیٰ کہ دربار میں بھی کسی غیر معمولی اہتمام کے بغیر بیٹھتے تھے۔ سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱-۱۴۸۱) جو فتح قسطنطنیہ کے عظیم کارنامہ کی وجہ سے سلطان محمد فاتح کے نام سے مشہور ہوا، ایک بار اپنے وزیروں کے ساتھ مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس اثنا میں ایک کسان کچھ فریاد لے کر حاضر ہوا۔ یکساں قسم کے لوگوں کے درمیان وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کس سے مخاطب ہو۔ اس نے کہا: "تم میں سے سلطان کون ہے"۔ یہ واقعہ سلطان پر شاق گزرا۔ اس کے بعد اس نے مجلس وزرار میں بیٹھنا بند کر دیا۔ وہ دریچہ کے پیچھے بیٹھ کر اپنے وزیروں کی بحثیں سننے لگا۔ بعد میں یہ اصول بھی برقرار نہ رہ سکا۔ سلیمان اعظم (۱۵۲۰-۱۵۶۶) کے دور سے سلاطین ترکی نے مجلس وزرار میں شرکت بالکل بند کر دی۔ اس کے بعد یہ ہونے لگا کہ صدر اعظم مجلس وزرار کے فیصلے کو سلطان تک پہنچا دیتا اور پھر سلطان اپنا حکم سنا دیتا جو آخری ہوتا ——— آدمی بظاہر اچھا ہوتا ہے مگر جب کوئی جھٹکا پڑتا ہے تو وہ بدل کر دوسرا انسان بن جاتا ہے۔

آنے والا طوفان

۱۱ اگست ۱۹۷۹ کو موروی (گجرات) میں اچانک ایک سیلاب آیا جس نے پوری بستی کو تہس نہس کر دیا۔ بستی کے کنارے ایک بڑا بند تھا۔ غیر معمولی بارش سے اس کا پانی بہت اونچا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے بند کو توڑ ڈالا۔ ایک مشاہد کے الفاظ میں "تقریباً ۲۰ فٹ اونچی پانی کی دیوار" اتنی تیزی کے ساتھ بستی کے اندر داخل ہوئی کہ کوئی اس سے بچ نہ سکتا تھا۔ چند گھنٹوں کے اندر پانی کا یہ طوفان بستی کی تمام چیزوں کو برباد کر کے نکل گیا۔ اندازہ ہے کہ تقریباً ۲۵ ہزار آدمی اس اچانک سیلاب میں مر گئے۔ جب کہ بستی کی کل آبادی تقریباً ۴۰ ہزار تھی۔ بربادی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دیگر چیزوں کے علاوہ صرف مرکزی حکومت نے فوری امداد کے طور پر پانچ کروڑ روپے حکومت گجرات کو دئے ہیں۔

ایک انگریزی اخبار کے نامہ نگار ارن کمار نے جو چشم دید رپورٹ (ہندستان ٹائمس ۱۹ اگست ۱۹۷۹) شائع کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ بچے ہیں ان میں سے ہر شخص کے پاس بتانے کے لئے ایک پُر درد کہانی ہے۔ ان کو جو صدمہ اور تکلیف پہنچی ہے اس کے احساس سے وہ ابھی تک نکل نہیں سکے ہیں، کچھ کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی گویائی کھو دی ہے۔ وہ بالکل سراسیمہ اور ہکا بکا دکھائی دیتے ہیں:

Some have lost their speech and look absolutely dazed and blank.

ایک اور خبر میں بتایا گیا ہے کہ ایک تباہ حال زمیں دار کو اس وقت حیرت ناک خوشی ہوئی جب سرکاری ذمہ داروں نے اس کو ۱۸ ہزار روپے نقد اور ۲۲۵ گرام سونے کے زیورات یہ کہہ کر دئے کہ یہ تمھارے گھر کے اندر سے دستیاب ہوئے ہیں (ہندستان ٹائمس ۲۰ اگست ۱۹۷۹)

اس طرح کے واقعات جو زمین پر روزانہ ہوتے رہتے ہیں، وہ اس لئے ہوتے ہیں تاکہ آدمی آخرت کے دن کو یاد کرے۔ آخرت کا عظیم تر سیلاب بھی بالکل اچانک آئے گا۔ بہت سے لوگ اس دن اس طرح برباد ہوں گے کہ ان کے الفاظ کے ذخیرے تک ختم ہو جائیں گے جو دنیا میں ہر آدمی کو نہایت وافر مقدار میں حاصل ہیں۔ ان کی چلتی ہوئی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ وہ سراسیمہ نظروں سے اپنی ہولناک بربادی کو دیکھیں گے اور کچھ بول نہ سکیں گے۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو یہ خوش خبری دی جائے گی کہ ہلاکت اور بربادی کے عمومی طوفان نے تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ تمھارا بہترین اثاثہ اللہ کے مزید انعام کے ساتھ آج تمھارے حوالے کیا جائے گا۔ ایک ہی سیلاب کچھ لوگوں کو جہنم میں دھکیل دے گا اور کچھ لوگوں کے لئے وہ جنت کی ابدی خوشیوں میں داخلہ کا دن بن جائے گا۔ "سیلاب" سے پہلے آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ہر ظالمانہ روش کو درست ثابت کرنے کے لئے شاندار الفاظ پالیتا ہے۔ مگر "سیلاب" کی ہولناکی کو دیکھتے ہی اس کا سارا زور ختم ہو جائے گا۔ اور ایسا معلوم ہوگا گویا اس کے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے وہ اپنی روش کی صفائی پیش کر سکے۔

آسانی ہمیشہ مشکلوں کے بعد آتی ہے

گرمیوں کے موسم میں گرد و غبار سے بھری ہوئی آندھی جب اٹھتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصیبت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر روس کے ماہرین موسمیات نے قراقرم کے ریگستانوں میں تحقیقات کے بعد بتایا ہے کہ گرد بھری ہوئی آندھیاں زمین پر موسم کی سختی کو کنٹرول کرنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہیں۔ جب آندھیاں چلتی ہیں تو ان کی وجہ سے گرد اٹھ کر اوپر چھا جاتی ہے اور فضا میں ایک غلاف کی صورت بنا لیتی ہے۔ اس طرح یہ آندھیاں زمین کی سطح کو گرمی کی تپش سے محفوظ رکھتی ہیں۔ روسی سائنس دانوں نے مختلف آلات اور جہازوں کا استعمال کر کے آندھیوں کی خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی ریگستان کی تپتی ہوئی سطح اس وقت ٹھنڈی ہو جاتی ہے جب گرد سے بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہیں۔ گرد کے یہ سایہ دار بادل محدود فضا میں بھی چھا سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی، جیسے عرب سے جنوبی امریکا تک اور وسط ایشیا سے بحر آرکٹک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُر مشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے۔ یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُر مشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے۔ اور اس سے مطابقت کر کے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سروں پر ٹھنڈا بادل سایہ کرے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

اپنی کمیوں کو جانئے

وہ بڑھاپے کی منزل میں تھا۔ مگر اس نے شادی نہیں کی تھی، اس لئے کہ اس کو ایک آئیڈیل رفیقۂ حیات کی تلاش تھی۔ لوگوں نے پوچھا: کیا آپ کو زندگی بھر کوئی ایسی خاتون نہیں ملی جو آئیڈیل رفیقۂ حیات بن سکتی ہو۔ اس نے جواب دیا: ایک خاتون ایسی ملی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ وہ بھی اپنے لئے ایک آئیڈیل شوہر تلاش کر رہی تھی ـــ اور بدقسمتی سے میں اس کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔

لوگ عام طور پر دوسروں کی کمیوں کو جاننے کے ماہر ہوتے ہیں اس لئے ان کا کسی سے نباہ نہیں ہوتا۔ اگر آدمی اپنی کمیوں کو جانے تو اس کو معلوم ہو کہ وہ بھی اسی بشری مقام پر ہے جہاں وہ دوسرے کو کھڑا ہوا پاتا ہے۔ اپنی کمیوں کا احساس آدمی کے اندر تواضع اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ صرف دوسروں کی کمیوں کو جانتا ہو تو اس کے اندر گھمنڈ پیدا ہوگا اور کسی سے نباہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

اللہ کے ذکر سے ان کے دل دہل جاتے ہیں

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیٰتہ زادتھم ایماناً وعلیٰ ربھم یتوکلون (انفال ۲)

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب اللہ کا کلام ان کو سنایا جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

یہ آیت ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر کے بعد اتری ہے۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ بدر کی فتح کے بعد جو مال غنیمت ملا تھا اس کی تقسیم کے سوال پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا —— یہ مال اسلامی حکومت کا ہے یا لشکریوں کا۔ اس میں مہاجرین کا زیادہ حصہ ہے یا انصار کا۔ رسول اللہ ؐ کی حفاظت کرنے والوں کو زیادہ ملنا چاہیے یا دشمن کا پیچھا کرنے والوں کو۔ وغیرہ۔ اس قسم کی اختلافی بحثیں جاری تھیں کہ یہ آیت اتری۔

جب بھی باہمی معاملات پیش آتے ہیں تو لوگوں کو ایک دوسرے سے شکایت اور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص معاملہ کو اپنے ذہن سے دیکھتا ہے اور دوسرا اپنے ذہن سے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے بات بڑھتی ہے، مسئلہ کو غیر جانب دارانہ انداز سے دیکھنے کا مزاج ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اولاً اگر اصولی اختلاف تھا تو آخری مرحلہ میں وہ ضد، عصبیت، نفرت اور انانیت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ مومن وہ ہے جو شیطان کی طرف سے اس قسم کی فضا پیدا کئے جانے کے باوجود اصلاح حال کے لئے تیار رہے۔ مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک شخص سے وقتی تاثر کے تحت جھگڑ اٹھتا ہے۔ اس کے بعد جب اس کو خدا کی یاد دلائی جاتی ہے تو اچانک اس کا دل دہل جاتا ہے۔ وہ شخص جو ایک "انسان" کے مقابلہ میں اپنے کو قوی محسوس کر کے اس کو دبانے پر تلا ہوا تھا، خدا کی عظمتوں اور قوتوں کو سوچ کر سہم جاتا ہے۔ اب اس کا سر جھک جاتا ہے۔ اس کے الفاظ کے ذخیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے دلائل کو بھولنے لگتا ہے۔ جو شخص ایک لمحہ پہلے تک اپنے حق پر زور دے رہا تھا، اب اس کو صرف اپنی ذمہ داریاں یاد رہ جاتی ہیں۔ اس سے جب کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو اور خدا کی زمین میں متکبر نہ بنو، تو اس کو فوراً محسوس ہو جاتا ہے کہ فی الواقع بڑائی صرف ایک اللہ کے لئے ہے۔ اس کے سوا جتنے ہیں سب چھوٹے ہیں۔ اس کا دل پکار اٹھتا ہے کہ کہنے والے نے صحیح کہا۔ میرے لئے تواضع کے سوا کوئی دوسرا رویہ درست نہیں۔ حق وانصاف پر قائم رہنے میں دنیوی نقصانات کا خطرہ سامنے آتا ہے یا اپنی ساکھ گرتی ہوئی نظر آتی ہے تو اللہ کی مدد کا یقین اس کے اندر نیا عزم پیدا کر دیتا ہے۔ وہ تمام مصالح کو اس بھروسہ پر نظر انداز کر دیتا ہے کہ اس کا خدا اس کی مدد کرے گا، اس کا خدا اس کو بے عزت ہونے سے بچائے گا۔

اللہ کی آیتوں کو سن کر ایمان بڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی آیت جو حکم دے رہی ہے اسی میں اس کو زندگی کا راز دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایک بظاہر مصلحت کے خلاف بات خدا کی طرف منسوب ہونے کے بعد

عین مصلحت نظر آتی ہے، ایک بظاہر نقصان کا طریقہ خدا کا حکم بننے کے بعد عین فائدہ کی چیز معلوم ہوتا ہے۔ ایک بظاہر نفس پر شاق گزرنے والا معاملہ خدا کی مرضی کا درجہ پانے کے بعد عین مطلوب چیز بن جاتا ہے۔ وہ دنیوی بھروسوں کو نظر انداز کر کے خدا کے بھروسہ پر چل پڑتا ہے۔ وہ ظاہری مصالح سے بے پروا ہو کر اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔

ایمان کا مطلب ہے کسی چیز کو ماننا، اس کا یقین کرنا۔ اگر آپ کے سامنے ایک پنسل پڑی ہو اور آپ اس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ پنسل ہے، تو گویا کہ آپ نے پنسل کے وجود کا اقرار کیا۔ مگر پنسل کی موجودگی کا اقرار آپ کے دل کے اندر کوئی ہل چل نہیں پیدا کرے گا۔ آپ "یہ پنسل ہے" کہہ کر بھی ویسے ہی رہیں گے جیسے آپ اس کے کہنے سے پہلے تھے۔ لیکن اگر آپ کے کمرہ میں اچانک ایک بڑا سانپ نکل آئے اور آپ اس کو دیکھ کر کہیں کہ "یہ سانپ ہے" تو یہ دوسرا جملہ بھی اگرچہ محض اقرار کا جملہ ہے، مگر یہ آپ کے تمام شعور کو متحرک کر دے گا اور آپ کی شخصیت کو ہلا دے گا۔ کیوں کہ پنسل ایک بے ضرر لکڑی ہے۔ جب کہ سانپ ایک خوفناک جانور ہے اور آپ کی ذرا سی غفلت بھی آپ کو اس کا شکار بنا سکتی ہے۔

"ایمان" بظاہر منھ سے کچھ الفاظ بولنے کا نام ہے۔ مگر ایمان کا تعلق جس چیز سے ہو اس کی مناسبت سے دل میں اثر پیدا ہونا ضروری ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ میں نے خدا کے وجود کا اقرار کیا، میں اس پر ایمان لایا، تو آپ تمام طاقتوں سے زیادہ بڑی طاقت کا اقرار کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ اس مالک کائنات کو جاننے اور ماننے کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں جس کا انعام بھی بہت بڑا ہے اور جس کی سزا بھی بے حد سخت ہے، ایسے خدا کا اقرار، اگر وہ فی الواقع اقرار ہو، تو آپ کی پوری شخصیت کو ہلا دے گا۔ اس کا نام سن کر آپ کا دل دہل اٹھے گا۔ اس کے کلام کے آگے آپ ڈھ جائیں گے۔

مذکورہ آیت مال غنیمت کا حکم بیان کرنے کے ذیل میں اتری ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ مال غنیمت میں کس کا کتنا حصہ ہے۔ مگر اس کا حکم بتانے سے پہلے کہا جاتا ہے کہ "اللہ سے ڈرو"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ یا اسلامی نظام قائم ہونے کا انحصار سب سے زیادہ کس چیز پر ہے۔ وہ اس پر ہے کہ معاشرہ میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں پیدا ہو جائیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ اگر لوگوں کے اندر اللہ کا ڈر سمایا ہوا نہ ہو تو کسی قسم کا قانونی نفاذ یا کوئی بھی سیاسی یا غیر سیاسی تدبیر معاشرہ کے اندر اسلامی نظام برپا کرنے کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

اگر آپ مینڈکوں کی پنسیری بنانا چاہیں تو وہ کبھی نہیں بنے گی۔ کیوں کہ آپ چند مینڈک پکڑ کر ترازو کے پلہ میں رکھیں گے تو دوسرے چند مینڈک پھدک کر باہر جا چکے ہوں گے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ انسان ایک بے حد سرکش مخلوق ہے جو کسی طرح اپنے کو قابو میں آنے نہیں دیتا۔ جو بھی خارجی تدبیر اس کو قابو میں لانے کی کی جاتی ہے اس سے وہ کسی نہ کسی طرح نکل بھاگتا ہے۔ آدمی کو قابو میں لانے والی واحد چیز یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ اس کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہو کہ اگر اس نے بے انصافی کی تو موت کے بعد خدا کا عذاب اس کو پکڑ لے گا۔

■ دشمن اچنبھے میں پڑ گیا

غزوۂ خندق (۵ھ) کے موقع پر مشرکین کی ۱۰ ہزار فوج نے ابوسفیان کی سرداری میں مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ جب وہ لوگ مدینہ کے قریب پہنچے اور وہاں شہر کے کنارے گہری خندق کھدی ہوئی دیکھی تو ابوسفیان نے کہا:
واللہ ان ھذہ لمکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا خدا کی قسم یہ ایک ایسی تدبیر ہے جیسی تدبیر کرنا ابھی تک عرب نہ جانتے تھے۔

گویا اس زمانہ کے مسلمان تدبیر اور طریق عمل میں اتنا زیادہ آگے تھے کہ ان کے مخالفین ان کی تدبیروں کو دیکھ کر پکار اٹھتے تھے: ہم تو ابھی تک ایسی تدبیروں سے واقف بھی نہ تھے۔

■ جو آگے تھا وہ پیچھے ہوگیا

فرانسیسی مورخ والٹیر نے لکھا ہے کہ پہلی گھڑی جس سے یورپ واقف ہوا وہ مسلم خلیفہ ہارون الرشید کی گھڑی تھی جو اس نے ۸۰۷ء میں بطور تحفہ فرانس کے بادشاہ شارلیمان کو بھیجی۔ یورپ کے لئے وہ اس زمانہ میں بالکل نئی چیز تھی۔ دربار کے لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو وہ حیران ہو کر رہ گئے۔ مگر سترھویں صدی میں جب مشینی دور شروع ہوا اور اسپرنگ کلاک وجود میں آیا تو اس کا موجد یورپ تھا۔ اب صورت حال بالکل بدلی ہوئی تھی۔ یورپ کے تاجر اسپرنگ دار گھڑیاں یورپ سے لے آتے اور ہندوستان کے مغل شہزادے ان کو شوق کے ساتھ خریدتے اور کثرت سے استعمال کرتے۔ یورپ کے حکمرانوں نے بغداد کے مسلم کاریگروں کی بنائی ہوئی گھڑیوں کو نہ صرف حیرت کے ساتھ لیا بلکہ ان کو سمجھ کر ان کو ترقی دینے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس کے برعکس مغل حکمرانوں نے کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ اسپرنگ کلاک کیا چیز ہے۔ وہ صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ یورپی تاجروں کے ذریعہ ان کو مہنگے داموں خریدیں یا بطور تحفہ وصول کر کے ان کو اپنے محل کی زینت بنائیں۔

■ تاریخ جو انقلاب نہ بن سکی

میں اپنے ایک رفیق کے ساتھ دہلی کے لال قلعہ کے پاس پارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ایک طرف شاہجہاں (۱۵۹۲ — ۱۶۶۶) کا تعمیر کردہ قلعہ اپنی سرخ دیواروں کے ساتھ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری طرف جامع مسجد کی سرخ عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان وسیع دوطرفہ سڑک پر ٹریفک کا طوفان برپا تھا۔ "یہاں تاریخ سرخ پتھروں میں ڈھل گئی ہے" میری زبان سے نکلا۔ میں ابھی دوسرا جملہ سوچ رہا تھا کہ سامنے کی مصروف سڑک پر دوڑتی ہوئی مشینی سواریوں نے اپنی پرشور زبان میں اس کو پورا کر دیا: "مگر یہ تاریخ متحرک انقلاب کی صورت اختیار نہ کر سکی"۔ اور میں نے دیکھا کہ دوڑتی ہوئی سواریوں کے کنارے سرخ پتھروں کی کھڑی ہوئی عمارتیں خاموش زبان سے اس کا اقرار کر رہی ہیں۔

اصل وجہ : شکایت پر ایکشن نہ لینا

ہندستان کی سپریم کورٹ کے جج مسٹر جسٹس وی۔ آر۔ کرشنا آئر اور مسٹر جسٹس بی۔ این سنگھل نے حال میں قتل کے ایک مقدمہ میں اپیل پر اپنا فیصلہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے دہلی پولس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے :

One blackguardly policeman is worse than ten notorious criminals. — When the agencies of law entrusted with the high duty of prevention of crime, protection of victims, and tracking down of violent offenders themselves became a party to the plot and betray the public, the rule of law hangs limp and the people stand scandalised.

The Hindustand Times, August 15, 1979

ایک شریر سپاہی دس بدنام مجرموں سے زیادہ تباہ کن ہے۔ قانون کے ادارے جن کو جرم روکنے، ستم زدہ کی حفاظت کرنے اور ظالموں کو پکڑنے کی عظیم ذمہ داری سونپی جاتی ہے، وہ خود مجرمانہ سازش میں ایک فریق بن جائیں اور عوام سے غداری کریں تو قانون کی حکومت بے اثر ہوجاتی ہے اور عوام ذلیل ورسوا ہوکر رہ جاتے ہیں۔

پولس اور انتظامیہ کی نااہلی کے بارے میں اس قسم کے تبصرے بار بار اعلیٰ شخصیتوں کی طرف سے آتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود انتظامی خرابیوں کی اصلاح کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا جواب معلوم کرنا نہایت آسان ہے۔ بدعنوانی کے واقعات، جو روزانہ اور ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں، ان میں سے کسی واقعہ کو لے کر آپ متعلقہ افسر یا وزیر محکمہ کے پاس جائیں۔ بار بار دوڑنے کے باوجود آپ کی کوشش بالکل بے نتیجہ رہے گی۔ اس وقت آپ جان لیں گے کہ صورت حال کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے : اعلیٰ ذمہ داروں کا معاملات پر کوئی کارروائی نہ کرنا۔ شکایتوں پر اگر فوراً کارروائی کی جانے لگے تو چند دن میں جرائم کا خاتمہ ہوجائے۔

ایک تاثر

اللہ کی زمین پر شاید کوئی اللہ کا پرستار نہیں رہا۔ ہر ایک نے اپنے سینہ میں کوئی نہ کوئی بت چھپا رکھا ہے۔ ہر ایک کسی نہ کسی غیر اللہ کی عقیدت و محبت میں مبتلا ہے۔ وہ اسی وقت تک خدا پرست نظر آتا ہے جب تک اس کی نازک نفسیات کو چھیڑا نہ گیا ہو۔ جب بھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے چھپے ہوئے بت پر زد پڑتی ہے۔ جب اس کی عقیدتوں کا غبارہ مجروح ہوتا ہے تو وہ بلبلا اٹھتا ہے۔ وہ طیش میں آکر اپنا لبادہ اتار پھینکتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقۃً خدا کا پرستار نہ تھا بلکہ غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا تھا۔ اگرچہ اوپر سے خدا پرستی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ (۴ ستمبر ۱۹۷۹ء)

تقویٰ کی حقیقت

قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبيث ، فاتقوا الله یا ولی الالباب لعلکم تفلحون (مائدہ ۱۰۰)

کہہ دو، ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ناپاک کی کثرت تم کو خوش لگے۔ اے عقل والو اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

غیر خدائی بنیادوں پر بظاہر کتنی ہی شان دار ترقی حاصل کرلی جائے وہ بے حقیقت ہے۔ کیوں کہ بالآخر ایسی تمام ترقیاں ڈھ جائیں گی اور وہی انسان کامیاب انسان ہوگا جو خدائی بنیادوں پر کھڑا ہوا ہو۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حقیقی اوصاف رکھنے کے باوجود لوگوں کی نظر میں حقیر بن جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ دنیوی زور کو اپنے گرد جمع نہ کرسکا۔ اسی طرح کچھ لوگ حقیقی اوصاف نہ رکھتے ہوئے بھی عزت اور خوش حالی اور اقتدار کے مالک بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے دنیوی اہمیت کی چیزوں، مثلاً دولت، عہدہ، اعوان و انصار کو اپنی پشت پر اکھٹا کرلیا تھا۔ تاہم ایک طیب ہے اور دوسرا خبیث اور خبیث اور طیب دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔ موجودہ مصنوعی صورت حال صرف اس لئے ہے کہ زمین کے مالک نے لوگوں کو آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ مگر یہ صورت حال یقینی طور پر عارضی ہے۔ جلد ہی ایسا ہوگا کہ زمین کا مالک اپنے جلال و کمال کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس وقت تمام لوگ اپنے اپنے حقیقی مقام پر آجائیں گے۔ مالکِ کائنات کے ظاہر ہوتے ہی تمام مصنوعی عظمتیں اچانک مٹ جائیں گی۔ ہر آدمی اس اصل مقام پر پہنچ جائے گا جو فی الواقع اس کا مقام ہے۔ اس وقت کتنے لوگ، جو دنیا میں شہرت اور عزت کی جنتوں میں بس رہے تھے، اپنے آپ کو ذلت اور ناکامی کے جہنم میں جلتا ہوا پائیں گے۔ کیوں کہ حقیقت کے اعتبار سے وہ اسی مقام پر تھے۔ اور کتنے لوگ جو مسکینی اور بے بسی کے جہنم میں گرفتار دکھائی دیتے تھے، ہر قسم کی عزتوں اور ترقیوں کی بہشت میں باغ باغ ہو رہے ہوں گے۔ کیوں کہ حقیقت کے اعتبار سے وہ جس مقام پر تھے وہ یہی تھا۔

اللہ کا خوف آدمی کو آنے والے وقت سے پہلے اس حقیقت واقعہ کا احساس کرا دیتا ہے جس کو بے خوف انسان صرف اس وقت جانے گا جب کہ وہ اس سے دوچار ہو چکا ہوگا۔ جب حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا کا مالک اللہ ہے تو عزت اسی کو حاصل ہوگی جس کو خدا عزت دے اور ذلت اس کے لئے ہوگی جس کو خدا ذلیل کردے یہ احساس جس کے دل میں بیٹھ جائے اس کو دنیا کی تمام شان و شوکت حقیر معلوم ہونے لگتی ہے۔ وہ اقتدار کی گدی پر بیٹھ کر بھی اپنے کو بے زور پاتا ہے۔ وہ دولت کے انبار کو پاکر بھی اپنے کو محتاج سمجھتا ہے۔ وہ مکمل معنوں میں حقیقت پسند بن جاتا ہے وہ ہر چیز کو اس شکل میں دیکھنے لگتا ہے جیسی کہ وہ حقیقتاً ہے۔

یہ اہل تقویٰ کی کامیابی کا وہ پہلو ہے جو اخروی اعتبار سے ہے۔ وہ حساب کا دن آنے سے پہلے اپنے

کو حساب کی ترازو میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی عاجزانہ حیثیت کو اس وقت سے پہلے تسلیم کر لیتے ہیں جب کہ خدا اپنے جلال و جبروت کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا اور کسی کے لئے ماننے کے سوا چارہ نہ ہو گا۔ حالت غیب میں جو شخص اس طرح اللہ کا اقرار کرے وہ امتحان میں پورا اترا۔ آخرت میں جب اللہ اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہو گا تو ایسے بندوں کو وہ اپنی رحمتوں سے مالا مال کر دے گا اور یہی اصلی اور حقیقی کامیابی ہے۔

مگر اللہ نے اس دنیا کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ اگر خدا کے بندوں کی کوئی قابل لحاظ تعداد تقویٰ کی اس روش کو عملاً اختیار کرلے تو اس کی کامیابیوں کا آغاز اسی موجودہ دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں دنیائیں خدا کی دنیائیں ہیں اور جو حقیقت پسندانہ اوصاف آدمی کی آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہیں، وہی حقیقت پسندانہ اوصاف دنیا کی کامیابی کو بھی یقینی بناتے ہیں۔ انسان کو ذاتی طور پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔ یہ دراصل اللہ کی نصرت ہے جو کسی کو کامیاب بناتی ہے۔ اللہ کی نصرت ہی آدمی کو آخرت میں کامیاب بنائے گی اور وہی آدمی کی دنیا کو بھی کامیاب بنانے والی ہے۔ فرق یہ ہے کہ آخرت میں آدمی کے انفرادی عمل کے مطابق اس کو کامیابی دی جائے گی۔ ایک شخص اگر ذاتی طور پر سچا مومن ہے تو محض اپنے ذاتی ایمان کی بدولت وہ آخرت کی کامیابی کا مستحق قرار پا جائے گا۔ مگر دنیا میں اہل ایمان کی کامیابی (غلبہ) کا انحصار اجتماعی ایمان پر ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی میں اہل ایمان کو اسی وقت غلبہ اور سربلندی حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ قابل لحاظ تعداد میں سچی خدا پرستی کی شرائط کو پورا کر رہے ہوں۔

دنیا میں سربلندی حاصل کرنے کے لئے کس قسم کے افراد کا مجموعہ درکار ہے۔ اس کے لئے ایسے افراد درکار ہیں جو اپنے آپ کو اس مقام پر رکھنے کے لئے راضی ہو جائیں جو کہ باعتبار حقیقت ان کا مقام ہے۔ اللہ کے مقابلہ میں آدمی کا مقام عجز ہے۔ اس لئے ہر آدمی اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر عاجز محسوس کرے۔ وہ گھمنڈ اور خود رائی سے اپنے کو پاک کرلے۔ بندے کے مقابلہ میں آدمی کا مقام برابری کا ہے۔ ہر آدمی کا باعتبار حقیقت وہی درجہ ہے جو کسی دوسرے آدمی کا ہے۔ عزت، دولت، اقتدار یا نسلیت اور قومیت کی بنا پر ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے دو آدمیوں میں اس قسم کا فرق کتنا ہی زیادہ پایا جائے مگر دونوں آدمی اپنے کو یکساں درجہ کا انسان سمجھیں، کوئی شخص نہ احساس کمتری کا شکار ہو اور نہ احساس برتری کا۔

ان اوصاف کے پیدا ہونے کا سرچشمہ صرف ایک ہے اور وہ اللہ کا خوف ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں میں یہ خصوصیات سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اسی لئے وہ دنیا کا نظام بھی سب سے زیادہ بہتر طور پر سنبھال سکتے ہیں۔ اور اس لئے وہ سب سے زیادہ اللہ کی نصرت کے مستحق بنتے ہیں۔ ان کا تقویٰ ان کو عجلت پسندی، ذاتی نمود و نمائش، باہمی عداوت اور بے انصافی سے پاک کر دیتا ہے۔ ان کے حوصلے اور تمنائیں دنیوی چیزوں کے بجائے اخروی چیزوں میں لگ جاتی ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر یہ اوصاف پیدا ہو جائیں ان کو خدا کی اس دنیا میں کوئی چیز کامیاب ہونے سے روک نہیں سکتی۔

توبہ وہی ہے جو سنجیدہ فیصلہ بن جائے

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (نساء ۱۷-۱۸)

اللہ ضرور ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ توجہ فرماتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے، حکمت والا ہے۔ اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو برائی کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کے سامنے موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی توبہ جن کو حالتِ کفر پر موت آتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کے اصل معنی متوجہ ہونے کے ہیں۔ آدمی سے کوئی برائی ہو جائے اور پھر اللہ کے سامنے حاضری کا احساس اس کے اندر شدید ندامت کا جذبہ پیدا کرے۔ وہ بیتابانہ طور پر چاہنے لگے کہ دوبارہ اس سے ایسی برائی سرزد نہ ہو۔ تو اس کو شریعت میں توبہ کہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق مطلوب توبہ وہ ہے جو توبہ نصوح ہو۔ نصوح کے معنی ہیں خالص۔ عربی میں کہتے ہیں نَصَحَ العسلَ یعنی شہد کو صاف کرکے اصلی شہد بنایا۔ توبہ نصوح وہ توبہ ہے جو سچی توبہ ہو جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت پیدا ہوئی ہو۔

حدیث میں آیا ہے: الندم توبة (اخرجہ احمد وابن ماجہ عن عبداللہ بن مسعود مرفوعاً) اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کی اصل ندامت و شرمندگی ہے۔ شرمندگی کا احساس جتنا شدید ہوگا، آدمی کی توبہ اتنی ہی سچی اور خالص ہوگی۔ جب آدمی غلطی کرکے تڑپ اٹھے اور خدا کے یہاں بازپرس کا احساس اس کو بے چین کر دے تو اس کی توبہ محض چند الفاظ کو زبان سے بول دینا نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کی پوری ہستی کے لئے ایک نئی زندگی کے ہم معنی ہوتا ہے۔ وہ احساس گناہ سے شدید طور پر شرمندہ ہوتا ہے، وہ بے تابانہ اللہ سے معافی مانگتا ہے۔ وہ عزم کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ وہ فوراً اپنی اصلاح میں لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ جو حقوق پامال ہوئے تھے ان کی ادائگی کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اس کی ساری توجہ اس ایک سوال پر لگ جاتی ہے کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو سابقہ غلطیوں سے مکمل طور پر پاک کر ڈالے۔ امام حسن بصری نے فرمایا: التوبة النصوح ان تبغض الذنب کما احببته وتستغفر منه اذا ذکرته یعنی سچی توبہ یہ ہے کہ برائی سے تم کو نفرت ہو جائے جس طرح اس سے پہلے اس سے محبت تھی اور جب برائی یاد آئے تو اللہ سے اس کے لئے مغفرت مانگو (ابن کثیر)

توبہ کا سب سے نازک امتحان وہ ہے جب کہ ایک آدمی کو دوسرے سے شکایت ہو جائے اور

انتقامی جذبہ کے تحت وہ اپنے بھائی کے خلاف کوئی کارروائی کر گزرے۔ اس قسم کے معاملات میں اپنے کو توبہ کی طرف لے جانا کسی آدمی کے لئے مشکل ترین جہاد ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے ذہن کا گھوڑا اگر ایک بار بدک جائے تو پھر وہ واپس آنے کا نام نہیں لیتا۔ وہ بس مخالف سمت ہی میں دوڑتا رہتا ہے۔ کسی شکایت کے باعث اگر اس نے کسی کے خلاف ایک بار بری رائے قائم کر لی تو ہزار دلائل کے بعد بھی وہ دوبارہ اپنے ذہن کو صاف نہیں کرتا۔ اگر اس نے انتقامی جذبہ کے تحت کسی کو اجاڑنے کا اقدام کر دیا تو قرآن وسنت کی تمام تصریحات بھی اس کو اس اقدام سے روکنے والی ثابت نہیں ہوتیں۔ اگر کسی غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے نقطۂ نظر کی بابت ایک بار کوئی الٹی بات ذہن میں آگئی تو وہ دوبارہ ذہن سے نکلنے کا نام نہیں لیتی ـــــ لوگوں نے توبہ کا ایک روایتی مفہوم بنا لیا ہے اور کچھ خاص طرح کی چیزوں کے بارے میں "توبہ توبہ" کر کے سمجھتے ہیں کہ انھوں نے توبہ کے بارے میں شریعت کے حکم کی تعمیل کر لی، وہ توبہ کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ حالاں کہ وہ نازک مواقع جہاں اصلاً ان کی "توبہ" کا امتحان لیا جا رہا ہے وہاں وہ گناہ سے توبہ کے بجائے گناہ پر اصرار کو اپنا دین بنائے ہوئے ہیں۔

ایسی غلطی سے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے جو صرف ایک غلطی ہو، اس کے ساتھ کوئی نفسیاتی پیچیدگی شامل نہ ہوئی ہو۔ مثلاً کسی وراثت کے ذریعہ آپ کے پاس کوئی ایسی زمین آگئی جو حقیقۃً غصب کی زمین تھی۔ ایسی زمین کو اس کے جائز مالکوں کی طرف لوٹانا بھی توبہ ہے۔ اس توبہ کی راہ میں جو چیز حائل ہوتی ہے وہ صرف مفاد پرستی ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے کو توبہ پر آمادہ کرنا نسبتاً آسان ہے ـــ مگر غلطی کی ایک اور قسم ہے اور یہ غلطی وہ ہے جب کہ اس کے ساتھ ضد اور انتقام کے جذبات شامل ہو جائیں۔ مثلاً کسی کے پیغام کو رد کرنے کے بعد اس کی صداقت ظاہر ہونے پر دوبارہ اس کو ماننا، کسی کے خلاف غصہ اور تلخی کی حالت میں کوئی اقدام کر دینے کے بعد اپنے اقدام کو واپس لینا۔ کسی کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دینے کے بعد دوبارہ اس کا اعتراف کرنا۔ نفرت کے جذبہ کے تحت کسی کو نقصان پہنچا دینے کے بعد پھر اس کی تلافی کرنا، وغیرہ ـــــ اس دوسری قسم کی توبہ آدمی کے لئے ہمیشہ مشکل ترین ہوتی ہے۔ مگر یہی وہ توبہ ہے جس سے آدمی اپنے رب کے قریب آتا ہے۔ اور یہی وہ "قربانی" ہے جس کے بعد نصرت خداوندی کے دروازے اس کے لئے اس طرح کھول دئے جاتے ہیں کہ پھر کبھی بند نہیں ہوتے۔

توبہ، یعنی حق کے راستہ سے ہٹ جانے کے بعد دوبارہ حق کی طرف آنا، زندگی کے تمام معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہی ایمان واسلام کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ آدمی جب ایک بار کسی حق کا انکار کر دے تو خواہ اس کے حق میں کتنے ہی دلائل ظاہر ہوں وہ اس کو اپنے لئے عزت کا سوال بنا لیتا ہے، وہ اس کی طرف لوٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ـــ ایسی حالت میں اپنی عزت کو خطرہ میں ڈال کر دوبارہ حق کی طرف لوٹنا ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے ـــ ایک شخص کسی کے خلاف ظلم کر بیٹھے اور حالات کی موافقت کی وجہ سے ظلم میں کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد حقائق سامنے آنے کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہونا اور اپنی برائی کی پروا نہ کرتے ہوئے صحیح رویہ کی طرف پلٹ آنا انسان کے لئے ایسی ترقیات کے دروازے کھولتا ہے جس کو کسی بھی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

کون لوگ جہنم میں جائیں گے

جنت والے جہنم والوں سے کہیں گے: تم کو کس چیز نے جہنم میں پہنچایا۔ وہ جواب دیں گے —— ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ محتاج کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے — یہاں تک کہ آپہنچی ہم پر موت۔ (مدثر ۴۷-۴۲)

ان آیات میں چار چیزوں کو جہنم میں جانے کا سبب بتایا گیا ہے: نمازی نہ ہونا، محتاجوں کا سہارا نہ بننا، حق کی دعوت کے خلاف فضول بحثیں نکالنا، روز جزا کو نہ ماننا۔ اس کے برعکس انجام ان لوگوں کا ہوگا جنھوں نے اپنی زندگیوں میں نماز کو داخل کیا ہو، کمزور اور بے سہارا لوگ جن کے دلوں میں اپنے لئے نرم گوشہ پاتے ہوں، جن کا سینہ حق کی آواز کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہو۔ جو یہ سمجھ کر دنیا میں زندگی گزارتے ہوں کہ ایک روز ان کو عالم الغیب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ایسے لوگوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ وہ خدا کے باغوں میں ہمیشہ کے لئے داخل کر دئے جائیں گے۔

نماز کیا ہے۔ اللہ کے آگے جھک جانا، اللہ کو اپنا سب کچھ بنا لینا۔ جب آدمی اس طرح اپنے رب کو پا لیتا ہے تو وہ روزانہ پانچ وقت متعین صورت میں اور دیگر اوقات میں غیر متعین صورت میں "نماز" پڑھتا رہتا ہے۔ اللہ کی یاد اس کے دل میں سما جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اللہ کی یادوں میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی اور اس کے تمام معاملات میں اللہ کا رنگ اس طرح چھا جاتا ہے کہ کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتا۔

"محتاج کو کھانا کھلانا" اس تعلق کی ایک علامت ہے جو ایک بندۂ خدا کو دوسرے انسانوں سے ہونی چاہئے۔ ایمان آدمی کے اندر جو گھلاوٹ اور اخروی جواب دہی کا جو احساس پیدا کرتا ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزوروں اور محتاجوں کے لئے اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے ہمہ تن عاجز محسوس کرتا ہے اس لئے ہر وہ شخص جو اس کو عجز کی حالت میں نظر آئے، اس سے اس کو ہمدردی ہو جاتی ہے۔ وہ بے تابانہ طور پر چاہتا ہے کہ اس کا خدا اس کا سہارا بنے اس لئے اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ اس سے مختلف سلوک کرے جو وہ اپنے رب سے اپنے لئے چاہتا ہے۔

دعوت حق کے خلاف ایسی بحثیں نکالنا جس سے لوگ اس کی صداقت کے بارہ میں شبہ میں پڑ جائیں، اللہ کے نزدیک بدترین جرم ہے۔ دعوت حق کا ظہور دراصل خدا کا ظہور ہے۔ جو لوگ حق کی آواز کو نہ پہچانیں، انھوں نے گویا خدا کو نہیں پہچانا۔ جنھوں نے حق کی دعوت کے خلاف بحث و تکرار کی، انھوں نے گویا خدا کے ساتھ زبان درازی کی جرأت کی۔ ایسے لوگوں پر خدا سخت غضب ناک ہوتا ہے۔ وہ خدا کی رحمتوں سے سب سے زیادہ دور کر دئے جاتے ہیں۔

روز جزا کا یقین تمام نیکیوں کا سب سے بڑا محرک ہے۔ اور روز جزا پر یقین نہ ہونا تمام برائیوں کی اصل جڑ ہے۔ جنت اس کے لئے ہے جو دنیا میں اس طرح رہے گویا کہ وہ آخرت کو دیکھ رہا ہے اور جہنم اس کے لئے جو دنیا میں اس طرح زندگی گزارے گویا کہ وہ آخرت کو کوئی سنجیدہ معاملہ نہیں سمجھتا۔ وہ دنیا کو اپنی دنیا سمجھتا ہے نہ کہ خدا کی دنیا۔

جب اعمال اکارت ہو جائیں

قرآن میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک قانون حبط اعمال ہے۔ حبط کے معنی ہیں اکارت جانا۔ پانی والا کنواں ہو اور اس کا پانی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے تو کہیں گے حبط ماء البئر۔ دین میں حبط اعمال سے مراد یہ ہے کہ آدمی بظاہر نیکیاں کر رہا ہو۔ خوش نما اعمال اس سے ظاہر ہو رہے ہوں۔ مگر آخرت میں وہ بے قیمت ٹھہریں۔ وہاں ان کا کوئی وزن نہ کیا جائے۔ قرآن میں مختلف مقامات پر حبط اعمال کے جو اسباب بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

دین کو اختیار کرنے کے بعد دین سے پھر جانا۔ بقرہ ۲۱۷
اللہ کی نشانیوں سے انکار، بے انصافی پر روک ٹوک کرنے والوں کے مارنے کے درپے ہو جانا۔ آل عمران ۲۲
ایمان کے تقاضوں کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔ مائدہ ۵
اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ انعام ۸۸ ، زمر ۶۵
دنیا کا نفع اور دنیا کی رونق چاہنا۔ ہود ۱۶
دنیوی نقصان کے اندیشہ سے اسلامی جدوجہد کا ساتھ نہ دینا۔ مائدہ ۵۳
آخرت میں اللہ سے ملاقات کے معاملہ کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دینا۔ اعراف ۱۴۷
کافرانہ روش پر قائم رہتے ہوئے ظاہری عبادتیں کرنا۔ توبہ ۱۷
دنیا کی چیزوں میں غرق ہونا۔ توبہ ۶۹
دنیا کو سب کچھ سمجھنا اور اپنی تمام کوششیں اس میں صرف کر دینا۔ کہف ۱۰۶
اسلام کی ضرورت کے موقع پر بخیلی اور بزدلی دکھانا۔ احزاب ۱۹
اللہ کی ناراضی والے راستہ پر چلنا اور اس کی رضا کا حریص نہ ہونا۔ محمد ۲۸
اللہ کے کام میں رکاوٹ ڈالنا اور اس کا مخالف بن کر کھڑا ہونا۔ محمد ۳۲

یہ ایک نہایت سخت معاملہ ہے جو آخرت میں کچھ لوگوں کے ساتھ پیش آئے گا۔ بظاہر وہ "اعمال" کا ڈھیر لے کر آئیں گے۔ انھوں نے دینی عمل کے نام پر دنیا میں بہت کچھ کیا ہوگا۔ حتیٰ کہ بہت سے ظاہر بینوں کی نظر میں وہ دین و مذہب کے چیمپین بنے رہے ہوں گے۔ مگر آخرت کی دنیا میں ان کے اعمال کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ کیوں کہ انھوں نے ظاہری دھوم دھام والے دین کو تو خوب اپنایا مگر حقیقی دین سے انھیں دل چسپی نہیں ہوئی۔ وہ نمائشی دین کے عامل رہے۔ مگر جب نفس پر زد پڑی۔ جہاں مصالح مجروح ہوتے نظر آئے۔ جب ان دیکھی آخرت کی خاطر سامنے کے فوائد کو چھوڑنا ہوا تو ایسے مواقع پر انھوں نے دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا۔ انھوں نے اپنی پسند کا دین اپنایا نہ کہ خدا کی پسند کا۔

تذکیر القرآن

اور جب ہم نے تم سے یہ عہد لیا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے۔ اور اپنے لوگوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو۔ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ۔ پھر اگر وہ تمھارے پاس قید ہو کر آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر ان کو چھڑاتے ہو۔ حالاں کہ خود ان کا نکالنا تمھارے اوپر حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن ان کو سخت عذاب میں ڈال دیا جائے۔ اور اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ پس نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مدد پہنچے گی ۸۶ ــ ۸۴

قدیم مدینہ کے اطراف میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ یہ سب موسوی شریعت کو مانتے تھے۔ مگر ان کے جاہلی تعصبات نے ان کو الگ الگ گروہوں میں بانٹ رکھا تھا۔ اپنی دنیوی سیاست کے تحت وہ مدینہ کے مشرک قبائل ـــ اوس اور خزرج کے ساتھ مل گئے تھے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ نے قبیلہ اوس کا ساتھ پکڑ لیا تھا۔ بنو قینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے۔ اس طرح دو گروہ بن کر وہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ جنگ بعاث اسی قسم کی ایک جنگ تھی جو ہجرت نبوی سے پانچ سال پہلے واقع ہوئی۔ ان لڑائیوں میں یہود مشرک قبائل کے ساتھ مل کر دو محاذ بنا لیتے۔ ایک محاذ میں شامل ہونے والے یہودی دوسرے محاذ میں شامل ہونے والے یہودیوں کو قتل کرتے اور ان کو ان کے گھروں سے بے گھر کرتے۔ پھر جب جنگ ختم ہو جاتی تو وہ تورات کا حوالہ دے کر اپنے ہم مذہبوں سے چندہ کی اپیلیں کرتے تاکہ اپنے گرفتار بھائیوں کو فدیہ دے کر مشرک قبائل کے ہاتھ سے چھڑایا جا سکے۔ انسان کے جان و مال کے احترام کے بارے میں وہ خدا کے حکم کو توڑتے اور پھر اپنی ظالمانہ سیاست کا شکار ہونے والوں کے ساتھ نمائشی ہمدردی کر کے ظاہر کرتے کہ وہ بہت دیندار ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا جائے اور اس کے بعد شرعی طریقہ پر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے ـــــ شریعت کے اصلی اور اساسی احکام آدمی سے جاہلی زندگی چھوڑنے کے لئے کہتے ہیں۔ وہ اس کی خواہش نفس سے ٹکراتے ہیں۔ وہ اس کی دنیادارانہ سیاست پر روک لگاتے ہیں، اس لئے آدمی ان احکام کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ حقیقی دین داری کے جوئے میں اپنے کو ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ البتہ کچھ معمولی اور نمائشی چیزوں کی دھوم مچا کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کے دین پر پوری طرح قائم ہے۔ مگر یہ خدا کے دین کا خود ساختہ ایڈیشن تیار کرتا ہے۔ یہ دین کے آخرتی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے اور دین کے بعض وہ پہلو جو اپنے اندر دنیوی رونق اور شہرت رکھتے ہیں ان میں دین داری کا کمال دکھاتا ہے۔ دین میں اس قسم کی جسارت آدمی کو اللہ کے غضب کا مستحق بناتی ہے نہ کہ اللہ کے انعام کا۔

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح پاک سے اس کی تائید کی۔ تو جب بھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ چیز لے کر آیا جس کو تمھارا دل نہیں چاہتا تھا تو تم نے تکبر کیا۔ پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو مار ڈالا۔ اور یہود کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ نے ان کے انکار کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اس لئے وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ اور جب آئی اللہ کی طرف سے ان کے پاس ایک کتاب جو سچا کرنے والی ہے اس کو جو ان کے پاس ہے اور وہ پہلے سے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ پھر جب آئی ان کے پاس وہ چیز جس کو انھوں نے پہچان رکھا تھا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ کی لعنت ہے انکار کرنے والوں پر۔ کیسی بری ہے وہ چیز جس سے انھوں نے اپنی جانوں کا مول کیا کہ وہ انکار کر رہے ہیں اللہ کے اتارے ہوئے کلام کا اس ضد کی بنا پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اتارے۔ پس وہ غصہ پر غصہ کما کر لائے اور انکار کرنے والوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۹۰ - ۸۷

تورات اللہ کی کتاب تھی جو یہود پر اتری۔ مگر دھیرے دھیرے تورات کی حیثیت ان کے یہاں قومی تبرک کی ہو گئی۔ قومی عظمت اور نجات کی علامت کے طور پر یہود اب بھی اس کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ مگر رہنما کتاب کے مقام سے اس کو انھوں نے ہٹا دیا تھا۔ حضرت موسیٰ کے بعد بار بار ان کے درمیان انبیاء اٹھے مثلاً یوشع نبی، داؤد نبی، زکریا نبی، یحییٰ نبی، وغیرہ۔ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ ؑ تھے۔ یہ تمام انبیاء یہود کو یہ نصیحت دینے کے لئے آئے کہ تورات کو اپنی عملی زندگیوں میں شامل کرو۔ مگر تورات کے تقدس پر ایمان رکھنے کے باوجود یہ آواز ان کے لئے تمام آوازوں سے زیادہ ناقابل برداشت ثابت ہوئی۔ وہ خدا کے نبیوں کو نبی ماننے سے انکار کرتے، حتیٰ کہ ان کو قتل کر ڈالتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات کے نام پر وہ جس زندگی کو اختیار کئے ہوئے تھے وہ حقیقۃً نفسانیت اور دنیا پرستی کی ایک زندگی تھی جس کے اوپر انھوں نے خدا کی کتاب کا لیبل لگا لیا تھا۔ خدا کے نبی جب بے آمیز حق کی دعوت پیش کرتے تو ان کو نظر آتا کہ یہ دعوت ان کی مذہبی حیثیت کی نفی کر رہی ہے۔ اب ان کے اندر گھمنڈ کی نفسیات جاگ اٹھتیں۔ وہ نبیوں کے اعتراف کے بجائے ان کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتے۔

یہی معاملہ عرب کے یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا۔ وہ اپنی کتابوں میں آخری رسول ؐ کی پیشین گوئی کو دیکھ کر کہتے کہ جب وہ نبی آئے گا تو ہم اس کے ساتھ مل کر کافروں اور مشرکوں کو زیر کریں گے۔ مگر ان کی یہ بات محض ایک جھوٹی تقریر تھی جو اپنے کو مذہب کا پاسبان ظاہر کرنے کے لئے وہ کرتے تھے۔ چنانچہ "وہ نبی" آیا تو ان کی حقیقت کھل گئی۔ ان کے جاہلی تعصبات اپنے گروہ سے باہر کے ایک نبی کا اعتراف کرنے میں رکاوٹ بن گئے۔ قرآن میں آپ ؐ کی صداقت کے بارے میں جو واضح دلائل دیئے جا رہے تھے، ان کے جواب سے وہ عاجز تھے۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ تمھاری ظاہر فریب باتوں سے متاثر ہو کر ہم اپنے اسلاف کا دین نہیں چھوڑ سکتے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر اترا ہے۔ اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے پیچھے آیا ہے۔ حالاں کہ وہ حق ہے اور سچا کرنے والا ہے اس کا جو ان کے پاس ہے۔ کہو، اگر تم ایمان والے ہو تو تم اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے کیوں قتل کرتے رہے ہو۔ اور موسیٰ تمھارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا۔ پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کرنے والے ہو۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تمھارے اوپر کھڑا کیا ـــــ جو حکم ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ انھوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا۔ اور ان کے کفر کے سبب سے بچھڑا ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔ کہو اگر تم ایمان والے ہو تو کیسی بری ہے وہ چیز جو تمھارا ایمان تم کو سکھاتا ہے۔ کہو اگر اللہ کے یہاں آخرت کا گھر خاص تمھارے لئے ہے دوسروں کو چھوڑ کر تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ مگر وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے بہ سبب اُس کے جو وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور تم ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پاؤ گے، ان لوگوں سے بھی زیادہ جو مشرک ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار برس کی عمر پائے۔ حالاں کہ اتنا جینا بھی اس کو عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ۹۶-۹۱

یہود جو قرآن کی دعوت کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے، اس کی وجہ ان کا یہ احساس تھا کہ وہ پہلے سے حق پر ہیں اور حق پرستوں کی سب سے بڑی جماعت (اسرائیل) سے وابستگی رکھتے ہیں۔ مگر یہ دراصل گروہ پرستی تھی جس کو انھوں نے حق پرستی کے ہم معنی سمجھ رکھا تھا۔ وہ گروہی حق کو خالص حق کا مقام دئے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حق جب اپنی بے آمیز صورت میں ظاہر ہوا تو وہ اس کو لینے کے لئے آگے نہ بڑھ سکے۔ اگر خالص حق ان کا مقصود ہوتا تو ان کے لئے یہ جاننا مشکل نہ ہوتا کہ قرآن کا آنا خود ان کی مقدس کتاب تورات کی پیشین گوئیوں کے مطابق ہے اور یہ کہ قرآن کے نزول کے بعد اب قرآن ہی کتاب حق ہے نہ کہ ان کا اپنا گروہی مذہب۔

ان کا معاملہ فی الواقع حق پرستی کا معاملہ نہیں، اس کا ثبوت ان کی اپنی تاریخ میں یہ ہے کہ انھوں نے خود اپنے گروہ کے نبیوں (مثلاً حضرت زکریا، حضرت یحییٰ) کو قتل کیا جنھوں نے ان کی زندگیوں پر تنقید کی، جو "ان کے خلاف گواہی دیتے تھے تاکہ ان کو خدا کی طرف پھرا لائیں (نحمیاہ ۹: ۲۶) حضرت موسیٰؑ نے جو معجزات پیش کئے اس کے بعد ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ مگر کوہ طور کے چالیس روزہ قیام کے زمانہ میں جب حضرت موسیٰؑ کا شخصی دباؤ ان کے سامنے نہ رہا تو انھوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ ان کے سر پر پہاڑ کھڑا کر دیا گیا تب بھی صرف وقتی طور پر جان بچانے کے لئے انھوں نے کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا۔ مگر اس کے بعد ان کی اکثریت بدستور نافرمانی کی زندگی پر قائم رہی۔ اگر وہ سچ مچ خدا پرست ہوتے تو ان کی ساری توجہ خدا کی اس دنیا کی طرف لگ جاتی جو موت کے بعد آنے والی ہے۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ وہ موجودہ دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

کہو کہ جو کوئی جبریل کا مخالف ہے تو اس نے اِس کلام کو تمھارے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے، وہ سچا کرنے والا ہے اس کا جو اس کے آگے ہے اور وہ ہدایت اور خوش خبری ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا تو اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے، اور ہم نے تمھارے اوپر واضح نشانیاں اتاریں اور کوئی ان کا انکار نہیں کرتا مگر وہی لوگ جو فاسق ہیں۔ کیا جب بھی وہ کوئی عہد باندھیں گے تو ان کا ایک گروہ اس کو توڑ پھینکے گا۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو سچا کرنے والا تھا اس چیز کا جو ان کے پاس ہے تو ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی، اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں ۱۰۱ ـ ۹۷

قدیم زمانہ میں یہود کی سرکشی کے نتیجہ میں بار بار ان کو سخت سزائیں دی گئیں۔ سنت اللہ کے مطابق ہر سزا سے پہلے پیغمبروں کی زبان سے اس کی پیشگی خبر دی جاتی۔ یہ خبر اللہ کی طرف سے جبریل فرشتہ کے ذریعہ پیغمبر کے پاس آتی اور وہ اس سے اپنی قوم کو آگاہ کرتے۔ اس قسم کے واقعات میں اصل سبق یہ تھا کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچے تاکہ وہ عذاب الٰہی کی زد میں نہ آجائے۔ مگر یہود ان واقعات سے اس قسم کا سبق نہ لے سکے۔ اس کے بجائے وہ کہنے لگے کہ جبریل فرشتہ ہمارا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ آسمان سے ہمارے خلاف احکام لے کر آتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ اللہ نے جبریل کے ذریعہ مجھ پر وحی کی ہے تو یہود نے کہنا شروع کیا کہ جبریل تو ہمارا پرانا دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت جو صرف اسرائیلی گروہ کا حق تھا، اس کو اس نے ایک اور قبیلہ کے فرد تک پہنچا دیا۔

اس قسم کی بے معنی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو فسق اور بے قیدی کی زندگی گزار رہے ہوں۔ یہود کا حال یہ تھا کہ وہ نفس پرستی، آبائی تقلید، نسلی اور قومی عصبیت کی سطح پر جی رہے تھے۔ اور کچھ نمائشی قسم کے مذہبی کام کر کے ظاہر کرتے تھے کہ وہ عین دین خداوندی پر قائم ہیں۔ جو لوگ اس قسم کی جھوٹی دین داری میں مبتلا ہوں وہ سچے اور بے آمیز دین کی دعوت سن کر ہمیشہ بگڑ جاتے ہیں۔ کیوں کہ ایسی دعوت ان کو ان کے مقام افتخار سے اتارنے کے ہم معنی نظر آتی ہے۔ وہ مشتعل نفسیات کے تحت ایسی باتیں بولنے لگتے ہیں جو نحو و صرف کے اعتبار سے درست ہونے کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے بالکل بے معنی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا آنا اور رسولوں کا مبعوث ہونا سب مکمل طور پر خدائی منصوبہ کے تحت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جب دلائل یہ ظاہر کر رہے ہوں کہ پیغمبر عربی کے پاس وہی چیز آئی ہے جو ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ پر آئی تھی اور وہ پچھلے آسمانی صحیفوں کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق ہے تو یہ صریح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے —— آدمی بہت سی باتیں یہ ظاہر کرنے کے لئے بولتا ہے کہ وہ ایمان پر قائم ہے۔ حالاں کہ وہ باتیں صرف اس کا ثبوت ہوتی ہیں کہ آدمی کا ایمان اور خدا پرستی سے کوئی تعلق نہیں۔

اور وہ اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین سلیمان کی سلطنت پر لگا کر پڑھتے تھے۔ حالاں کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ یہ شیاطین تھے جنھوں نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور وہ اس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت اور ماروت پر اتاری گئی، جب کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب بھی کسی کو اپنا یہ فن سکھاتے تو اس سے کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں۔ پس تم کافر نہ بنو۔ مگر وہ ان سے وہ چیز سیکھتے جس سے مرد اور اس کی عورت کے درمیان جدائی ڈال دیں۔ حالاں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس سے کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ اور وہ ایسی چیز سیکھتے جو ان کو نقصان پہنچائے اور نفع نہ دے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو کوئی اس چیز کا خریدار ہو، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ کیسی بری چیز ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ کاش وہ اس کو سمجھتے۔ اور اگر وہ مومن بنتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کا بدلہ ان کے لئے بہتر تھا، کاش وہ اس کو سمجھتے ۱۰۲ — ۱۰۳

آسمانی کتاب کے حامل کسی گروہ کا بگاڑ ہمیشہ صرف ایک ہوتا ہے: نجاتِ آخرت جس کا انحصار تمام تر عمل صالح پر رکھا گیا ہے، اس کا راز بے عملی میں تلاش کر لینا۔ اللہ کا کلام حقیقۃً عمل کی پکار ہے۔ مگر جب قوم پر زوال آتا ہے تو اس کے افراد مقدس کلام کے لکھ لینے یا زبان سے بول دینے کو ہر قسم کی برکتوں کا پراسرار نسخہ سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وہ نفسیاتی زمین ہے جس کے اوپر سحر اور کہانت اور عملیات وجود میں آتے ہیں۔ چھومنتر جیسی چیزوں سے جنت حاصل کرنے والے دنیا کو بھی چھومنتر کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ بزرگوں سے عقیدت کو نجات کا ذریعہ سمجھنے والے ارواح سے تعلق قائم کرکے اپنے دنیوی مسائل حل کرنے لگتے ہیں۔ اوراد و وظائف کے طلسماتی اثرات پر یقین کرنے والے سیاسی چمتکار دکھا کر ملت کی تعمیر اور اسلام کے احیاء کا منصوبہ بناتے ہیں۔

یہود اپنے زوال کے بعد جب بے عملی اور توہم پرستی کی اس کیفیت میں مبتلا ہوئے تو ان کے درمیان ایسے لوگ پیدا ہوئے جو سحر و کہانت کی دکان لگا کر بیٹھ گئے۔ ان ظالموں نے اپنے کاروبار کو چمکانے کے لئے اپنے اس فن کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کر دیا۔ انھوں نے کہنا شروع کیا کہ سلیمانؑ کو جنوں اور ہواؤں تک پر جو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا وہ سب علم سحر کی بنا پر تھا اور یہ سلیمانی علم بعض جنوں کے ذریعہ ہم کو حاصل ہو گیا ہے۔ اس طرح حضرت سلیمان کی طرف منسوب ہو کر عملیات کا فن یہود کے اندر بڑے پیمانہ پر پھیل گیا۔

حضرت لوطؑ کی قوم مباشرت ہم جنس کی برائی میں مبتلا تھی، اس لئے ان کے یہاں خوبصورت لڑکوں کی صورت میں فرشتے آئے۔ اسی طرح یہود کی آزمائش کے لئے بابل میں دو فرشتے بھیجے گئے جو درویشوں کے بھیس میں عملیات سکھاتے تھے۔ تاہم وہ کہتے رہتے تھے کہ یہ تمھارا امتحان ہے۔ مگر اس انتباہ کے باوجود وہ اس فن پر ٹوٹ پڑے۔ حتیٰ کہ انھوں نے اس کو ناجائز مقاصد میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اے ایمان والو تم راعنا نہ کہو بلکہ اُنظرنا کہو اور سنو۔ اور کفر کرنے والوں کے لئے دردناک سزا ہے۔ جن لوگوں نے انکار کیا، خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین، وہ نہیں چاہتے کہ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی اترے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ہم جس آیت کو موقوف کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مثل دوسری لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمھارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوالات کئے گئے۔ اور جس شخص نے ایمان کو کفر سے بدل لیا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ۱۰۴-۱۰۸

کسی کو خدا کی طرف سے سچائی ملے اور وہ اس کا داعی بن کر کھڑا ہو جائے تو لوگ اس کے مخالف بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی دعوت میں لوگوں کو اپنی حیثیت کی نفی دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہود کے لئے مخالفت کا یہ سبب مزید شدت کے ساتھ موجود تھا۔ کیوں کہ وہ پیغمبری کو اپنا قومی حق سمجھتے تھے۔ ان کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ ان کے گروہ کے سوا کسی اور گروہ میں خدا کے پیغمبر کا ظہور ہو۔ یہود آپ کی دعوت کے بارے میں طرح طرح کی مذہبی بحثیں چھیڑتے تاکہ لوگوں کو اس شبہ میں ڈال دیں کہ آپ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ محض ایک شخص کی ذاتی اپج ہے۔ وہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیز نہیں ہے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن میں بعض قانونی احکام تورات سے مختلف تھے۔ ان کو دیکھ کر وہ کہتے کہ کیا خدا بھی حکم دینے میں غلطی کرتا ہے کہ ایک بار ایک حکم دے اور اس کے بعد اسی معاملہ میں دوسرا حکم بھیجے۔ اس طرح کے شبہات یہود نے اتنی کثرت سے پھیلائے کہ خود مسلمانوں میں کچھ سادہ مزاج لوگ ان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے لگے۔ مزید یہ کہ یہود جب آپ کی مجلس میں بیٹھتے تو ایسے الفاظ بولتے جن سے آپ کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہوتا۔ مثلاً "ہماری طرف توجہ کیجئے" کے لئے عربی زبان میں ایک محفوظ لفظ اُنظرنا تھا۔ مگر وہ اس کو چھوڑ کر راعنا کہتے۔ کیونکہ تھوڑا سا کھینچ کر اس کو راعینا کہہ دیا جائے تو اس کے معنی "ہمارے چرواہے" کے ہو جاتے ہیں، اسی طرح کبھی الف کو دبا کر وہ اس کو راعِنً کہتے جس کے معنی احمق کے ہوتے ہیں

ہدایت کی گئی کہ (۱) گفتگو میں صاف الفاظ استعمال کرو، مشتبہ الفاظ مت بولو جس میں کوئی برا پہلو نکل سکتا ہو (۲) جو بات کہی جائے اس کو غور سے سنو اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو (۳) سوال کی کثرت آدمی کو سیدھے راستہ سے بھٹکا دیتی ہے، اس لئے سوال و جواب کے بجائے عبرت اور نصیحت کا ذہن پیدا کرو (۴) اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غلطی کی بنا پر تم اپنے ایمان ہی سے محروم ہو جاؤ (۵) دنیا میں کسی کے پاس کوئی خیر دیکھو تو حسد اور جلن میں مبتلا نہ ہو، کیوں کہ یہ اللہ کا ایک عطیہ ہے جو اس کے فیصلہ کے تحت اس کے ایک بندے کو پہنچا ہے۔

بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ تمھارے مومن ہو جانے کے بعد وہ کسی طرح پھر تم کو کافر بنا دیں، اپنے حسد کی وجہ سے، باوجودیکہ حق ان کے سامنے واضح ہو چکا ہے۔ پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور جو بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو تم اللہ کے پاس پاؤ گے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی ہوں یا عیسائی ہوں، یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ بلکہ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ مخلص بھی ہے تو ایسے شخص کے لئے اجر ہے اس کے رب کے پاس، ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی غم ۱۱۲ — ۱۰۹

قرآن کی آواز اگرچہ بہت سے لوگوں کے لئے نامانوس آواز تھی۔ تاہم انھیں میں ایسے لوگ بھی تھے جو اس کو اپنے دل کی آواز پاکر اس کے دائرہ میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ یہ صورت حال یہود کے لئے ناقابل برداشت بن گئی۔ کیوں کہ یہ ایک ایسی چیز کی ترقی کے ہم معنی تھی جس کو وہ بے حقیقت سمجھ کر نظر انداز کئے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ کیا کہ ایک طرف مشرکین کو ابھار کر ان کو اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ کر دیا۔ دوسری طرف وہ نئے اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے شبہات اور مغالطے میں ڈالتے تاکہ وہ قرآن اور صاحب قرآن سے بدظن ہو جائیں اور دوبارہ اپنے آبائی مذہب کی طرف واپس چلے جائیں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر یہود کے خلاف اشتعال پیدا ہونا فطری تھا۔ مگر اللہ نے اس سے ان کو منع فرما دیا۔ حکم ہوا کہ یہود سے بحث مباحثہ یا ان کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی موجودہ مرحلہ میں ہرگز نہ کی جائے۔ اس معاملہ میں تمام تر اللہ پر بھروسہ کیا جائے اور اس وقت کا انتظار کیا جائے جب اللہ تعالیٰ حالات میں ایسی تبدیلی کر دے کہ ان کے خلاف کوئی فیصلہ کن کارروائی کرنا ممکن ہو جائے۔ بروقت مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبر کریں اور نماز اور زکوٰۃ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائیں۔ صبر آدمی کو اس سے بچاتا ہے کہ وہ ردعمل کی نفسیات کے تحت منفی کارروائیاں کرنے لگے۔ نماز آدمی کو اللہ سے جوڑتی ہے۔ اور اپنے مال میں دوسرے بھائیوں کو حق دار بنانا وہ چیز ہے جس سے باہمی خیر خواہی اور اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

نئے اسلام لانے والوں سے وہ کہتے کہ تم کو اپنا آبائی مذہب چھوڑنا ہے تو یہودیت اختیار کر لو یا پھر عیسائی بن جاؤ۔ کیونکہ جنت تو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے ہے جو ہمیشہ سے نبیوں اور بزرگوں کی جماعت رہی ہے۔ فرمایا کہ کسی گروہ سے وابستگی کسی کو جنت کا مستحق نہیں بناتی۔ جنت کا فیصلہ آدمی کے اپنے عمل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ گروہی فضیلت کی بنیاد پر۔ احسان کے معنی ہیں کسی کام کو اچھی طرح کرنا۔ اسلام میں اچھا ہونا یہ ہے کہ اللہ کے لئے آدمی کی حوالگی اتنی کامل ہو کہ ہر دوسری چیز کی اہمیت اس کے ذہن سے حذف ہو جائے۔ گروہی تعصبات، شخصی وفاداریاں اور دنیوی مصلحتیں کوئی بھی چیز اس کے لئے اللہ کی آواز کی طرف دوڑ پڑنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی چیز پر نہیں۔ اور وہ سب آسمانی کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے کہا جن کے پاس علم نہیں، انھیں کا سا قول۔ پس اللہ قیامت کے دن اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں یہ جھگڑ رہے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ وہاں اللہ کے نام کی یاد کی جائے اور ان کو اجاڑنے کی کوشش کرے۔ ان کا حال تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسجدوں میں اللہ سے ڈرتے ہوئے داخل ہوں۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بھاری سزا ہے۔ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم جدھر رخ کرو اسی طرف اللہ ہے۔ یقیناً اللہ وسعت والا ہے، علم والا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ اسی کے حکم بردار ہیں سارے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ وہ جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو بس اس کے لئے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے

۱۱۳ — ۱۱۷

یہود نے نبیوں اور بزرگوں سے وابستگی کو حق کا معیار بنایا۔ اس وجہ سے ان کو اپنی قوم حق پر اور دوسری قومیں باطل پر نظر آئیں۔ نصاریٰ نے اپنے اندر یہ امتیاز دیکھا کہ اللہ نے اپنا "اکلوتا بیٹا" ان کے پاس بھیجا۔ مکہ کے مشرکین اپنی یہ خصوصیت سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے مقدس گھر کے پاسبان ہیں۔ اس طرح ہر گروہ نے اپنے حسب حال حق و صداقت کا ایک خود ساختہ معیار بنا رکھا تھا اور جب وہ اس معیار کی روشنی میں دیکھتا تو لامحالہ اس کو اپنی ذات برسرحق اور دوسروں کی برسر باطل نظر آتی۔ مگر ان کی عملی حالت جس چیز کا ثبوت دے رہی تھی وہ اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ گروہ گروہ بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کو جب بھی موقع ملتا، وہ عبادت کے لئے بنے ہوئے خدا کے گھر کو اپنے گروہ کے علاوہ دوسرے گروہ پر بند کر دیتا اور اس طرح خدا کے گھر کی ویرانی کا باعث بنتا۔ عبادت خانہ تو وہ مقام ہے جہاں انسان اللہ سے ڈرتے ہوئے اور کانپتے ہوئے داخل ہو۔ اگر یہ لوگ واقعتہً خدا والے ہوتے تو کیسے ممکن تھا کہ وہ عبادت کے لئے آنے والے کسی بندے کو روکیں یا اس کو ستائیں۔ وہ تو اللہ کی عظمت کے احساس سے دبے ہوئے ہوتے، پھر ان سے اس قسم کی سرکشی کا صدور کیوں کر ہو سکتا تھا۔

انھوں نے اللہ کو انسان کے اوپر قیاس کیا۔ ایک انسان اگر مشرق میں ہو تو اسی وقت وہ مغرب میں نہیں ہوگا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی اسی طرح کسی خاص سمت میں موجود ہے۔ یقیناً اللہ نے اپنی عبادت کے لئے رخ کا تعین کیا ہے مگر وہ عبادت کی تنظیمی ضرورت کی بنا پر ہے نہ اس لئے کہ خدا اسی خاص رخ میں ملتا ہے۔ اسی طرح انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے انھوں نے خدا کا بیٹا فرض کر لیا۔ حالاں کہ خدا اس قسم کی چیزوں سے بلند و برتر ہے۔ جو لوگ اس طرح خود ساختہ دین کو خدا کا دین بتائیں، ان کے لئے خدا کے یہاں رسوائی اور عذاب کے سوا اور کچھ نہیں

تنقید کبھی وہم کا نتیجہ ہوتی ہے

مولانا محمود حسن دیوبندیؒ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (نساء ۸۲) کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے۔ مگر فہیم ایسا نہیں کر سکتا۔ دیکھو قرآن کے اسی مقام میں جو تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللهِ (کہو کہ سب اللہ کی طرف سے ہے) پھر فرمادیا وما اصابك من سيئة فمن نفسك (اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہوگیا (تفسیر قرآن صفحہ ۱۱۷)

جب لفظوں میں معرکے سر ہونے لگیں

"پندرہ اگست ۱۹۴۷ کو آنے والے آزادی کے انقلاب نے ملک کی قسمت بدل دی" اس جملہ کو ایک حقیقی واقعہ بنانے کے لئے طویل مدت تک بے حساب جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی سنجیدہ کوشش اور دیانت دارانہ عمل کے فقدان ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ جملہ آزادی کے ۳۲ سال بعد بھی واقعہ نہ بن سکا۔ مگر شاعر کو نہ صورت واقعہ سے بحث ہے اور نہ جدوجہد کی زحمت میں پڑنے کی ضرورت۔ وہم قافیہ الفاظ کا مل جانا شاعر کو وہ سب کچھ دے دیتا ہے جس سے وہ اس عظیم واقعہ کو "فاناً" ظہور میں لاسکے۔ ایک اردو شاعر ۱۵ اگست کے مشاعرہ میں پڑھی جانے والی نظم میں کہتے ہیں:

آج کے دن ہی غلامی کی کٹیں زنجیریں ۔۔۔ آج ہی پائی تھیں خوابوں نے حسیں تعبیریں

مسلمانوں نے موجودہ زمانہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے ماہرین انقلاب پیدا کئے ہیں جو الفاظ کے ذریعہ ہر روز بڑے بڑے معرکے سر کر رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انقلاب کے بعد بھی حالات نہ بدلیں اور مسائل ویسے ہی کے ویسے باقی رہیں جو انقلاب سے پہلے تھے۔

اسلام ہر زمانہ کے انسان کے لئے

اسلام آج کے زمانہ میں قابل عمل نہیں ہے، اسلام جدید حالات میں رہنمائی نہیں دے سکتا۔ اس قسم کے شبہات کی ایک وجہ غیر اسلامی تہذیب سے مرعوبیت ہے۔ مگر اسی درجہ کی ایک اور وجہ بھی ہے جو خود اسلام کے داعیوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ یہ ہے اسلام کو ایک تمدنی اور سیاسی نظام کی حیثیت سے پیش کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل اسلام جب غالب ہوں تو ان کا اپنا ایک تمدنی نظام بھی بنتا ہے۔ مگر تمدنی اور سیاسی نظام قائم کرنے کی بات اسلام کا دعوتی اشو نہیں ہے، وہ صرف اس کی ایک تنظیمی ضرورت ہے۔ اسلام اپنی اصلی اور ابتدائی حیثیت میں یہ ہے کہ انسان، نہ کہ اسٹیٹ، اللہ کے آگے جھک جائے۔ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اللہ کی یاد اور اللہ کی عبادت گزاری اس کا وظیفہ بن جائے۔ اور یہ کہ ہر انسان اپنے معاملات اور تعلقات میں اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا چھوڑ دے۔ اس کے بجائے وہ اللہ کی مرضی کو اپنا رہنما بنالے۔ اس قسم کے انسان کو وجود میں لانا اسلام کا اصل مقصد ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کی نظامی تحریکوں نے یہ کیا کہ اسلامی تمدنی نظام قائم کرنے کو دعوت کا عنوان قرار دیا۔ انھوں نے فرد کے بجائے سماج کو اپنا نشانہ بنالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا معاملہ بالکل الٹ گیا۔

اسلام کا اصل نشانہ فرد ہے۔ مگر اسلام کی نظامی تعبیر میں فطری طور پر اجتماع یا اسٹیٹ اسلام کا اصل نشانہ بن جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسی چیز نظر آنے لگتا ہے جس کے وقوع میں آنے کے لئے عوامی سطح پر اتفاق رائے ضروری ہے۔ کیوں کہ اسٹیٹ کی سطح پر کسی نظام کا قیام عوامی تائید کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اب چوں کہ موجودہ زمانہ میں عام طور پر مذہبی ریاست کے بارہ میں تعصب پایا جاتا ہے، اس لئے پہلے ہی مرحلہ میں یہ غیر ضروری بحث چھڑ جاتی ہے کہ اسلام قابل عمل ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر عوامی اکثریت اس کو قبول کرے گی یا نہیں۔ حالاں کہ اگر فرد کو اسلامی دعوت کا نشانہ بنایا جائے تو اس قسم کے شکوک پیدا ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ فرد کو مخاطب کرنے کا مطلب ایک انسان کی سطح پر ایک واقعہ کو ظہور میں لانے کی کوشش کرنا ہے۔ جب کہ اسٹیٹ کو نشانہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک ایسا واقعہ ظہور میں لانا چاہتے ہیں جو اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عوام کی بڑی اکثریت اس کی حمایت پر کھڑی نہ ہو جائے، بلکہ ضروری ہے کہ دنیا بھر میں اس کے حق میں عمومی اعتراف کی فضا پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ آج کی دنیا میں کسی ایک ملک میں کوئی سیاسی جزیرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی دعوت کا کام اگر اس طرح کیا جائے کہ شرک کی تردید کرتے ہوئے توحید کو پیش کیا جائے۔ ایک اللہ کی عبادت پر زور دیا جائے۔ دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی کی اہمیت کو بتایا جائے۔ انسان کی اس حیثیت کی وضاحت کی جائے کہ وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے اندر قلب سلیم اور نفس مطمئنہ کی پرورش کرے تاکہ وہ جنت کی دنیا کا شہری بن سکے۔ یہ بتایا جائے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ دوسرے انسانوں کے درمیان

یہ سمجھ کر رہے کہ اس کو اپنے کارنامۂ حیات کا حساب اللہ کو دینا ہے، تو یہ بات انسان کو اپنی فطرت کی آواز معلوم ہوگی۔ اس پیغام کے بارے میں اس کے اندر یہ شک نہیں ابھرے گا کہ موجودہ زمانہ میں وہ چلنے والی چیز نہیں۔ ایسی حالت میں اسلام کو وہ ایک ایسی چیز سمجھے گا جو عین اس وقت ظہور میں آجاتا ہے جب کہ ایک فرد ذاتی طور پر اس کا اعتراف کرے۔ جب کہ دوسری صورت میں اسلام ایک ایسی چیز معلوم ہوتا ہے جو کسی ایک شخص کے ارادہ سے ظہور میں نہیں آسکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ ساری دنیا اس کی حمایت پر کھڑی ہو جائے۔ اللہ کا مطلوب انسان بننے کا معاملہ تمام تر ایک ذاتی ارادہ کا معاملہ ہے۔ آدمی کا اسلام اسی وقت کامل و مکمل ہو جاتا ہے جب کہ اپنی ذاتی زندگی کی سطح پر وہ اسلام کو پوری طرح اختیار کرلے۔

جس طرح پانی ایک گلاس میں ٹھہرتا ہے نہ کہ بسیط فضا میں۔ اسی طرح اسلام ایک فرد انسانی کی روح میں متمکن ہوتا ہے نہ کہ حقیقۃً کسی آفاقی اجتماعیت میں۔ افراد انسانی کی کوئی قابل لحاظ تعداد جب اسلام کو اپنا سرمایۂ زندگی بنائے تو ان کے مجموعہ سے بالآخر وہ چیز وجود میں آتی ہے جس کو اسلامی نظام کہا جاتا ہے، تاہم اسلامی نظام کا قیام اسلامی تحریک کا اصل مقصود نہیں ہے۔ اسلام کا اصل مقصد فرد فرد کی روح کو خدائی نور سے روشن کرنا ہے تاکہ موت کے بعد جب وہ آخرت کی دنیا میں پہنچے تو وہاں اس کو جنت میں داخلہ مل سکے۔ اسلام کا اصل مقصود انسان کو جنتی دنیا کا شہری بنانا ہے نہ کہ کسی قسم کے دنیوی نظام کا شہری بنانا۔

دنیا میں بہتر نظام قائم کرنے کا تعلق حقیقۃً بہتر نظام سے نہیں بلکہ بہتر انسان سے ہے۔ کسی نظام کو چلانے والے حقیقۃً آدمی ہوتے ہیں نہ کہ کوئی قانونی ڈھانچہ۔ سرکاری عملہ اگر سست ہو تو ایک عمدہ منصوبہ اپنا نشانہ پورا کرنے سے رہ جائے گا۔ رشوت لینے والے سرکاری ملازمین کسی بھی قانونی نفاذ کے عمل درآمد کو رشوت لے کر ناکام بنا دیں گے۔ بدعنوان افسران کسی بھی اصلاحی اسکیم کو ایسی تاویلات و توجیہات کے خانہ میں ڈال دیں گے جس سے اس کو نکالنا صدر اور وزیر اعظم کے لئے بھی ممکن نہ ہوگا۔ ایک مشین کو آپ بٹن دبا کر چلا سکتے ہیں۔ مگر انسان کو چلانے کے لئے ایسا کوئی بٹن نہیں ہے۔ انسان ایک خود مختار مخلوق ہے۔ وہ اسی وقت کسی کام کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرتا ہے جب کہ وہ خود بھی اس کو کرنا چاہتا ہو۔

اس لئے نظام بنانے کا اصل کام افراد بنانا ہے۔ لوگوں کے اندر خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا بظاہر ایک اخروی کام ہے۔ مگر یہی نظام دنیا کی تعمیر بھی ہے۔ حقیقی معنوں میں آخرت پسند انسان جب قابل لحاظ تعداد میں پیدا ہو جاتے ہیں تو انھیں کے شخصی اوصاف کے دنیوی ظہور کا نام اسلامی نظام ہے۔ جن لوگوں کا شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ سورج کی روشنی اور ہوا کے جھونکے میں خدا کا پیغام سننے لگیں، انھیں سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کھلے اور چھپے ہر حال میں انصاف پر قائم رہیں اور وہی کریں جو حق کی رو سے انھیں کرنا چاہئے ——— یہ اسلام ایک ابدی حقیقت ہے، وہ ہر زمانہ کے انسان کے لئے ہے خواہ وہ پہلی صدی کا انسان ہو یا بیسویں صدی کا انسان۔

منافقین کے بارے میں

منافق وہ ہے جو بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو (حدید ۱۴) مگر حقیقۃً وہ اسلام پر یقین نہ رکھتا ہو۔ منافق دنیا کی زندگی میں مسلمانوں سے ملا ہوا رہتا ہے مگر آخرت میں اس کا حشر کافروں کے ساتھ ہوگا (نساء ۱۴۰) حتیٰ کہ بتایا گیا ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے (نساء ۱۴۵)۔ منافق کی خصوصیات کیا ہیں۔ قرآن سے اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اسلام کا نام لیتے ہوئے غیر اسلام کو اختیار کرنا۔ نساء ۶۱
زبان سے خوب اسلام ظاہر کرنا مگر اندر سے خالی ہونا۔ منافقون ۱
اسلامی فرائض خدا کے بجائے لوگوں کو دکھانے کے لئے ادا کرنا۔ نساء ۱۴۲
اسلام اور غیر اسلام کے درمیان مذبذب رہنا۔ نساء ۱۴۳
دنیوی تکلیفوں سے ڈرنا اور خدا کے عذاب سے نہ ڈرنا۔ عنکبوت ۱۰
اسلام کے لئے قربانی کا سوال ہو تو عذرات پیش کر کے اس سے الگ ہو جانا۔ آل عمران ۱۶۷
اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرنے میں بخیل ہونا۔ توبہ ۷۷
سچے اہل ایمان کو دوست بنانے کے بجائے ریاکاروں کو دوست بنانا۔ توبہ ۶۷
اللہ کی مدد کا یقین نہ ہونا اور اپنی تدبیروں پر زیادہ بھروسہ کرنا۔ فتح ۶
دین کی راہ میں سماج کے دباؤ سے دبنا نہ کہ خدا کے خوف سے۔ توبہ ۹۸
اپنے ساتھیوں سے مدد کے جھوٹے وعدے کرنا۔ حشر ۱۱
نفع کے وقت اسلام کا ساتھ دینا اور نقصان کا اندیشہ ہو تو دور ہٹ جانا۔ حدید ۱۴
خدا کے بھروسہ پر اپنی زندگی ڈال دینے کو بے وقوفی سمجھنا۔ بقرہ ۱۲
زمین میں اصلاح کے بجائے فساد پیدا کرنا۔ بقرہ ۱۱
بظاہر مسلمانوں میں رہنا مگر اندر اندر اسلام دشمنوں سے ملا ہونا۔ بقرہ ۱۴

منافق کی پوری زندگی دو عملی کی زندگی ہوتی ہے۔ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہوتا ہے۔ مگر اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے وہ اپنے گرد و پیش ایسی ظاہری رونقیں جمع کر لیتا ہے کہ عام لوگ اس کے بارے میں دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اس کا سب کو خوش کرنے کا مزاج اس کی باتوں میں ایک مصنوعی خوبصورتی پیدا کر دیتا ہے (منافقون ۴) حتیٰ کہ بعض اوقات وہ اپنی حقیقت کو چھپانے میں اتنا زیادہ کامیاب ہو جاتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی اس کی غیر اسلامی حالت سے باخبر نہیں ہوتا (توبہ ۱۰۱) مگر اس قسم کی کوئی بھی چیز منافق کے کام آنے والی نہیں۔ ظاہری کامیابیوں کے باوجود اس کو دنیا میں حقیقی اطمینان نصیب نہیں ہوتا (منافقون ۴) اور آخرت میں اس کو بدترین عذاب میں ڈال دیا جائے گا (حدید ۱۵)

اجتماعی زندگی کے آداب

مسلمان سب بھائی ہیں۔ تمھارے دو بھائیوں میں جھگڑا ہو تو ان میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اے ایمان والو نہ مرد دوسرے مردوں پر ہنسیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ جو لوگ اس سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو۔ کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور نہ پیٹھ پیچھے برائی کرو۔ کیا تمھارے اندر کوئی ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (حجرات)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے دنیا میں جن رحمتوں کا وعدہ کیا ہے، ان سب کا انحصار اس پر ہے کہ وہ بھائیوں کی طرح مل جل کر رہ رہے ہوں اور اگر اتفاقی سبب سے دو مسلمانوں میں کوئی نزاع برپا ہو جائے تو سارے مسلمان اس کی اصلاح کے لئے اس طرح دوڑ پڑیں جیسے کوئی اپنے گھر میں آگ لگتی ہوئی دیکھتا ہے تو اس کو بجھانے کے لئے دوڑ پڑتا ہے۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان تمام چیزوں سے بچنے کا مکمل اہتمام کیا جائے جو میل ملاپ کی فضا کو بگاڑتی ہیں ——— کسی میں کوئی کمی نظر آئے تو لوگ اس کا مذاق نہ اڑائیں۔ جب عزت اور ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے تو آدمی کو ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے کہ کیا معلوم دوسرا شخص خدا کے نزدیک مجھ سے بہتر ہو۔ کوئی کسی کا کچھ کام بنا دے تو اس کو طعنہ نہ دینے لگے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ خدا نے ایک مسلمان کی مدد کے لئے اس کو ذریعہ بنایا ہے۔ کسی کو بدنام کرنے کے لئے اس کا نام نہ بگاڑو، ایمان کے ساتھ اس قسم کی روش جمع نہیں ہوتی۔ ناکافی معلومات کے ساتھ کسی سے بدگمانی ہو جائے تو آدمی اس کو دل میں رکھ نہ لے بلکہ تحقیق کرے یا اس کو دل سے نکال دے۔ کوئی کسی کا بھید جاننے کی کوشش نہ کرے۔ جس طرح آدمی اپنے بھید کو چھپانا پسند کرتا ہے اسی طرح اس کو پسند کرنا چاہئے کہ دوسرے کا بھید چھپا رہے۔ کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ غیر موجود آدمی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرنا اس پر ایسی حالت میں حملہ کرنا ہے جب کہ وہ دفاع کے لئے موجود نہیں ہے۔ اس سے آدمی کے اندر پست اخلاقیات پیدا ہوتی ہیں۔

ان تمام خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ خدا کا خوف ہے۔ آدمی کے اندر اگر اللہ کا خوف اور آخرت کا فکر پیدا ہو جائے تو گویا اس کے اندر سارے ضروری اوصاف پیدا ہو گئے۔ یہ احساس آدمی کی زندگی میں ایک قسم کا چوکیدار بن کر شامل ہو جاتا ہے۔ وہ ہر اس موقع پر آدمی کو روکتا ہے جب کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ بے انصافی کرنے جا رہا ہو یا بے انصافی کر سکتا ہو۔

حضرت محمد گیان

۱

جب وقت حضرت محمدؐ صاحب کے ظہور کا ہوا، ملک عرب میں بہت سی مذہبی، مجلسی اور اخلاقی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انسانی زندگی کو لوگ کھلونوں کی طرح بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ذرا سی بات پر کسی کی جان لے لینا ان کے لئے محض تماشا تھا۔ عورتوں کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ ایک ایک مرد آٹھ آٹھ دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ شادیاں کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی تجارت عام تھی۔ شراب خوری کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کے گھروں میں گھڑے کے گھڑے بھرے رکھے رہتے تھے۔ لوگ شراب میں بدمست ہو کر بہت سی بے ہودہ کارروائیاں کرتے تھے۔ قمار بازی بہت زوروں پر تھی۔ بت پرستی کا یہ حال تھا کہ ہر ایک گھرانے اور خاندان میں علیحدہ علیحدہ بت موجود تھے۔

عرب کی اس افسوس ناک حالت کا نقشہ مولانا حالی صاحب نے اپنی مشہور نظم مسدس حالی میں خوب کھینچا ہے۔ جب عرب کی یہ حالت تھی تو ضروری تھا کہ اس کو دور کرنے کے لئے خداوند تعالٰے کے اٹل قانون کے مطابق کوئی اس کا خاص بندہ آتا اور اس حالت کو دور کرتا۔

چنانچہ قریش قبیلے میں عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں ۲۹ راگست ۵۷۰ء کو حضرت محمد صاحب پیدا ہوئے مگر افسوس کہ ان کے باپ ان کی پیدائش سے چند ماہ پیشتر ہی چوبیس برس کی عمر میں اس جہان سے چل بسے تھے، اور ان کے دادا عبدالمطلب نے ان کی پرورش کا انتظام کیا۔ کچھ روز ان کی والدہ حضرت آمنہ نے انھیں اپنا دودھ پلایا پھر ان کو ایک دایہ حلیمہ نامی کے سپرد کر دیا۔ ابھی چھ سال کے ہونے نہ پائے تھے کہ والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور کچھ عرصے بعد ان کے دادا بھی انتقال فرما گئے۔ اب ان کی پرورش ان کے چچا ابوطالب کے ذمے ہوئی۔

ان میں شروع سے ہی غور و فکر کی عادت تھی۔ اکثر چپ چاپ بیٹھے زندگی کے مختلف مسائل سوچا کرتے تھے۔ ان کے چچا ان کا دل بہلانے اور کچھ کاروبار سکھلانے کی غرض سے، جب وہ تجارت کے سلسلے میں باہر جاتے تو انھیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ قدرت نے ان کے اندر شروع سے ہی راست بازی اور دیانت داری کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ بہت سے لوگ آکر ان سے اپنے جھگڑوں اور تنازعوں کا فیصلہ کراتے تھے۔ ان سفروں میں پہاڑوں اور سمندروں کے نظاروں نے ان کے دل پر خدا کی قدرت کا سکہ خوب بٹھا دیا۔

۲

جب ان کی عمر پچیس برس کی تھی۔ تو انھیں خدیجہ نامی ایک بیوہ نے ان کی شہرت اور دیانت داری کا حال سن کر بلا بھیجا اور بہت سا مال دے کر تجارت کی غرض سے یمن کی طرف بھیجا۔ انھیں چچا کے ساتھ رہتے رہتے تجارت کا کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے خدیجہ کے مال کو بہت نفع پر فروخت کیا۔ ان کو دو گنی تنخواہ پیش کی گئی۔ اور ان کی خوبیوں سے

متاثر ہوکر خدیجہ نے ان سے شادی کی درخواست کی ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ سے خدیجہ کی درخواست منظور کر کے اس سے شادی کر لی ۔ اس وقت خدیجہ کی عمر پینتالیس برس کی تھی ۔ اور حضرت صاحب پچیس برس کے تھے ۔ پندرہ سال کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا ، اور انھیں بہت رنج ہوا ۔ ان کی موت کے بعد اکثر حضرت صاحب بہت محبت اور شکر گزاری سے انھیں یاد کیا کرتے تھے ۔ حضرت صاحب نے ایک غلام زید نامی کی حالت کم زور دیکھ کر اسے خدیجہ سے مانگ لیا اور فوراً آزاد کر دیا ۔ آزادی ملنے پر زید نے اپنے گھر جانا پسند نہیں کیا ، بلکہ تمام عمر حضرت محمدؐ صاحب کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا ۔

حضرت صاحب اپنے ہم وطنوں کی جہالت اور خرابیوں کو دیکھ کر ہر وقت اداس رہتے تھے ۔ اکثر تنہائی میں اپنا وقت گزارتے اور گڑگڑا کر خدا کی درگاہ میں دعا کرتے کہ اے خدا ، انھیں گناہوں سے بچا اور ان کا دل اپنی طرف پھیر ۔ آخر خدا نے ان کے پاک دل کو اپنے نور سے بھر دیا ۔ اور یہ محسوس کرنے لگے کہ خدا چاہتا ہے کہ میں اس کا رسول بن کر لوگوں کو اس کی پرستش کی طرف راغب کروں ۔ جب ان کی عمر چالیس برس کی تھی ۔ اور غار حرا میں بیٹھے ہوئے خدا کے دھیان میں محو تھے ، تو اچانک ایک آواز ان کے کان میں پڑی کہ " اے محمدؐ ! اٹھ اور خدا کا نام لے کر پڑھ ، تجھ پر وہ راستہ کھولا گیا ہے ، جس کی تو تلاش میں تھا " ۔ یہ آواز سن کر وہ کانپ اٹھے ۔ گھبرائے ہوئے اور پسینوں میں تر گھر پہنچے اور سارا قصہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا ۔ انھوں نے حضرت کو تسلی دی اور کہا کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں اور آپ کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی ۔ یہ کہہ کر وہ ان پر ایمان لائیں ۔ اور بعد میں حضرت علیؓ ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ اور چند لوگوں نے انھیں تسلیم کیا ۔ اور ان پر ایمان لے آئے ۔

تین سال تک تو حضرت محمدؐ صاحب چپکے چپکے اپنے چند دوستوں اور رشتے داروں کو خدا کا حکم سناتے رہے ۔ آخر ایک دفعہ تمام اپنے رشتے داروں ، دوستوں اور قبیلے والوں کو جمع کر کے ان کو بتلایا کہ میں خدا کی طرف سے تمھیں اس وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی تلقین کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔ یہ سن کر لوگوں نے بہت شور مچایا ۔ اور کہا کہ تو غلط کہتا ہے ۔ مگر انھوں نے کچھ پرواہ نہیں کی اور باقاعدہ مختلف مقامات پر وعظ کرنا شروع کر دیا ۔ لوگوں نے حضرت کے چچا ابوطالب کے پاس جا کر کہا تو اپنے بھتیجے کو سمجھا کہ اس کفر سے باز آئے ورنہ ہم اس کے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے ۔ ابوطالب نے بہت سمجھایا کہ بیٹا مفت میں تم کیوں لوگوں سے بیر باندھتے ہو ۔ مزے سے زندگی بسر کرو ۔ نہ جانے یہ لوگ غصہ میں آ کر کیا کر بیٹھیں ۔ مگر محمدؐ صاحب نے کہا کہ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں اپنے ارادے سے باز نہیں آ سکتا ۔ خدا نے میرے سپرد یہ کام کیا ہے ۔ اس کا بجا لانا میرا فرض ہے ۔ چاہے ایسا کرنے میں میری جان تک بھی جاتی رہے ۔ جب ابوطالب کو یہ معلوم ہوا کہ محمدؐ اپنے ارادے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے تو کہا ۔ اچھا کچھ ہی ہو میں تیری حفاظت کروں گا ۔ چچا کی زبان سے یہ حوصلہ افزا الفاظ سن کر ان کا جوش بہت زیادہ بڑھ گیا ۔ اور خوب زور سے اپنے مشن کا پرچار کرنا شروع کر دیا ۔

اب حضرت صاحب کے پیرووں کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ قریشیوں کی مخالفت بھی بڑھ گئی ۔ انھوں نے ان کو طرح طرح کے لالچ دئے ۔ دھمکیاں بھی دیں ۔ ان کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا ۔ مگر انھوں نے ان کی

مخالفتوں کی مطلق پرواہ نہ کی۔ خود حضرت صاحب کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے یہاں تک کہ جب وہ صبح کو منھ اندھیرے عبادت کے لیے جنگل میں جاتے تو بھی ان کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے اور ان کے پاؤں اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب یہ نماز پڑھ رہے تھے تو ایک شخص نے ان کے گلے میں پٹکا ڈال کر گلا گھونٹنا چاہا۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ موقع پر پہنچ گئے اور انھوں نے ان کی جان بچائی۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھتے تو لوگ ان کے کھانے میں کوڑا کرکٹ گرا دیتے۔ کئی دفعہ ان پر گندگی پھینک دیتے۔ ان کی لڑکی کپڑوں پر پانی ڈالتی جاتی اور روتی جاتی۔ مگر یہ کہتے بیٹی کچھ پرواہ نہیں۔ خدا خود میری حفاظت کرے گا۔

اسی طرح ان کے پیروؤں کو بھی لوگ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ان کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے، ان کو گرم ریت پر لٹا دیتے۔ ان کی عورتوں کو ننگا کر کے بہت بے عزت کرتے۔ مگر یہ لوگ اعتقاد کے ایسے پکے تھے کہ ہر قسم کا دکھ اٹھا کر بھی اسلام کو نہ چھوڑتے اور ہر حالت میں خدا کا شکر کرتے۔

— ۳ —

قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بہت سے مسلمان حبش کے علاقے میں چلے گئے۔ اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی پناہ لی لیکن وہاں بھی مخالفوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور بادشاہ سے جا کر کہا کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ اور ایک نیا دین نکالا ہے۔ جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے۔ انھیں پناہ نہ دو۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر سب حال دریافت کیا۔ اور جب جعفر نے بادشاہ کو بتلایا کہ ہم لوگ پہلے جاہل تھے۔ بت پرستی کرتے تھے۔ گندی اور فحش باتیں بکتے تھے۔ لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ جوا کھیلتے تھے۔ غرض ہر قسم کی بدکاریوں میں مبتلا تھے۔ خدا نے ہمارے لئے رسولؐ بھیجا۔ اور اس نے ہمیں نیکی کی طرف مائل کیا۔ یہ سن کر نجاشی کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ یہ میری پناہ میں آئے ہیں، میں انھیں یہاں سے نکال نہیں سکتا۔ یہ سن کر مخالفین اپنا سا منھ لے کر واپس چلے گئے۔

مسلمانوں کے حبش میں چلے جانے کے بعد حضرت صاحبؐ مکہ میں برابر وعظ کرتے رہے۔ اس اثنا میں دو زبردست ہستیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک تو خود ان کے چچا حمزہؓ جو بہت بارسوخ شخص تھے اور دوسرے عمرؓ جو بعد میں حضرت عمرؓ کہلائے۔ حضرت عمرؓ پہلے ان کے جانی دشمن تھے۔ اور تلوار گلے میں ڈال کر ان کے قتل کو نکلے تھے۔ مگر قرآن شریف کی چند آیتیں سن کر ان کے پیرو بن گئے۔ اور چار یاروں میں شمار ہونے لگے۔ جب ان کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ انھوں نے مکہ چھوڑ کر طائف میں قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں کے لوگ پہلے ہی ان کے مخالف تھے۔ جب ان کا وعظ سنا تو بہت برافروختہ ہوئے۔ اور انھیں وہاں سے نکال دیا۔ مکہ والوں نے انھیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ مگر ایک شخص مطعم نامی نے لوگوں کو بہت لعنت ملامت کی اور کہا کہ میں محمدؐ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس طرح وہ مکہ میں رہنے لگے۔ مگر شریر لوگ مخالفت سے کب باز آتے تھے۔ انھوں نے مطعم کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت صاحبؐ نے جب دیکھا کہ میری وجہ سے بے چارے مطعم کو بھی سخت تکلیف دی جاتی ہے۔ تو انھوں نے کہہ دیا کہ میں اب آپ کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ خدا میرا محافظ ہے۔ جو ہو گا میں برداشت کروں گا۔ مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میرے سبب سے آپ کو تکلیف ہو۔

اب ان کا وعظ سن کر بہت سے لوگ ان کے پیرو بن گئے۔ فضیل نامی رئیس جو اس ڈر سے کہ ان کا کلام اس کے کان میں نہ پڑ جائے اور اس پر اثر ہو جائے اپنے کان میں روئی ٹھونس لیتا تھا۔ ایک دفعہ جلدی میں ٹھونسنا بھول گیا اور ان کا وعظ سن کر ان کا پیرو بن گیا۔ ایک دفعہ جب وہ تاجروں اور حاجیوں کو وعظ کر رہے تھے۔ تو چند مدینے کے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ ان کا وعظ سن کر وہ ان کے پیرو بن گئے۔ اور اپنے ساتھ اسلام کا واعظ لے گئے۔ وہاں بہت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر ان کو مدینہ بلایا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان مدینے چلے گئے۔ مدینہ والوں نے حضرت صاحب اور مسلمانوں کا بہت تپاک سے استقبال کیا۔ مسلمانوں کو اپنے گھروں پر ٹھیرایا۔ ان کو کاشت کے لئے اپنی زمینیں دے دیں اور ہر طرح پر ان کو برادرانہ حقوق عطا کئے۔

حضرت صاحبؐ نے کچھ روز مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا نامی آبادی میں قیام کیا۔ حضرت علیؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے پہلی مسجد نماز کے لئے بنوائی۔ اس کے بنانے میں خود آپ نے صحابہ کے ساتھ مل کر مزدوروں کا کام کیا۔ مدینہ والوں کے زور دینے پر آپ مدینہ گئے۔ اور ارادہ کیا کہ جہاں میری اونٹنی ٹھیر جائے گی وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابو ایوبؓ کے مکان کے پاس اونٹنی ٹھیر گئی اور آپ نے وہیں قیام کیا۔ وہاں اگرچہ زمین مفت ملتی تھی مگر آپ نے قیمت دے کر زمین خریدی اور یہاں انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ محنت مزدوری کر کے مسجد بنائی۔ اس وقت مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ نماز پڑھنا نصیب ہوا۔ اور جمعہ کا دن جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کے لئے مقرر ہوا۔ مدینے میں مسلمانوں کی رہائش اور گزارے کا تسلی بخش انتظام کر کے آں حضرتؐ نے یہودیوں کے ساتھ عہدنامہ کر کے ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ یہودی لوگ اپنے اقرار پر قائم نہ رہے۔ اور بعد میں مسلمانوں کے مخالفوں کے ساتھ ساز باز کر کے انھیں بہت تکلیف دیتے رہے۔

۴

گو اب مسلمان مدینے میں امن و امان سے رہتے تھے۔ لیکن ان کے دشمنوں کو یہ گوارا نہ تھا۔ کہ وہ اس طرح پر آزادی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ اگر ان کا بس چلے تو مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ انھوں نے عبداللہ نامی ایک شخص سے جو مدینے میں رہتا تھا اور دل ہی دل میں حضرت صاحب کا روز افزوں رسوخ دیکھ کر بہت جلتا تھا، خط و کتابت کرنی شروع کی اور اس سے کہا کہ حضرت صاحب کو مدینے سے نکال دے۔ مگر جب وہ کچھ نہ کر سکا تو اس نے اور مخالفوں نے آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے برخلاف بہت بھڑکایا۔ اور یہ سب لوگ بہت سی جمعیت لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ آں حضرت جنگ نہ چاہتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی حفاظت کے لئے خدا سے دعا کر کے تین سو آدمی لے کر آگے بڑھے اور ان جاں باز لوگوں نے ایک ہزار آدمیوں کو سخت شکست دی اور بہت سے آدمی قید کر لئے۔ حضرت محمدؐ صاحب نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ضمانت لے کر انھیں چھوڑ دیا۔

اس شکست سے مخالفوں کو بہت صدمہ پہنچا۔ اور انھوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے تین ہزار آدمیوں کی زبردست فوج تیار کی اور بہت سا سامان جنگ جمع کیا۔ بہت سی

عورتیں بھی فوج کے ساتھ ہولیں۔ یہ فوج مدینے کی طرف روانہ ہوئی۔ حضرت صاحب نہیں چاہتے تھے کہ مقابلہ کیا جائے۔ مگر اور مسلمانوں کے زور دینے پر لڑائی کے لئے تیار ہوگئے۔ ان کے پاس صرف سات سو جوان تھے۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی کام آئے۔ خود آنحضرت زخمی ہوئے۔ اس خبر سے مسلمان مایوس ہوگئے اور ان کی فوج میں کھل بلی مچ گئی۔ اس لڑائی کے متعلق تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کس کو شکست ہوئی۔ بہرحال طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت صاحبؐ نے اپنے دشمنوں کے لئے دعا مانگی کہ اے خدا انھیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

اس جنگ کے بعد مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اب ہم اسلام کو بالکل نیست و نابود کرکے چھوڑیں گے۔ کئی قبیلوں کے لوگوں نے مسلمان بننے کا بہانہ کرکے مسلمانوں کے بہت سے واعظوں کو قتل کر ڈالا۔ یہودی لوگ بھی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ چوبیس ہزار فوج تیار ہوگئی۔ مگر خدا کی غیبی طاقت مسلمانوں کی امداد کررہی تھی اور ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے مدینے کے اس طرف جہاں پہاڑ نہ تھے۔ ایک خندق کھودنے کا ارادہ کیا۔ جس میں خود حضرت صاحبؐ نے ہاتھ میں پھاوڑہ لے کر مزدوروں کا کام کیا۔ خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ ایک رات سخت آندھی چلی اور موسلا دھار مینہ برسا۔ اور دشمنوں کے سب خیمے اکھڑ گئے۔ ان پر غضب کا خوف طاری ہوگیا۔ وہ سمجھے کہ خدا کی طرف سے قیامت نازل ہوئی ہے۔ ان میں سخت ابتری پھیل گئی اور سب لوگ اپنا بدھنا بوریا باندھ کر چلتے بنے۔ اس طرح یہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ درحقیقت اسے غیبی امداد ہی سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ اگر لڑائی ہوتی تو ایک بھی مسلمان نہ بچ سکتا تھا۔

یہودیوں کی شرارتیں برابر جاری تھیں۔ حضرت صاحبؐ تو ہر چند چاہتے تھے کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کرکے چین سے مدینے میں رہیں۔ لیکن خندق کی لڑائی میں انھوں نے سخت غداری کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی تقریر اور نظموں میں مسلمانوں اور خصوصاً حضرت صاحبؐ کی ہجو کرتے رہتے تھے۔ مسلمان عورتوں کو وہ آتے جاتے بہت تنگ کرتے تھے۔ ایک دفعہ زینب نامی یہودی عورت نے حضرت صاحبؐ اور بہت سے مسلمانوں کو دعوت دی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضرت صاحبؐ کو شبہ ہوگیا۔ اور خدا کی مہربانی سے سب کی جان بچ گئی۔ اس سازش میں بہت سے بڑے بڑے یہودی شامل تھے۔ اور کوئی ہوتا تو سب یہودیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتا۔ مگر آنحضرتؐ نے چند سرغنوں کو ہی سزا دینا کافی سمجھا۔

۵

اب سب کو یقین ہوگیا تھا کہ قریش اب خاموش ہوکر بیٹھ جائیں گے۔ کیوں کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ حضرت صاحبؐ کا بھی یہ خیال تھا کہ اب قریش دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اس لئے انھوں نے حج کے ارادہ سے مکے جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ تیرہ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبے کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص ہتھیار یا لڑائی کا سامان اپنے ساتھ نہ لے جائے۔ اور صرف ایک تلوار میان میں

اپنی حفاظت کے لئے رکھے۔ جب وہ مکے کے قریب پہنچے تو قریش کو شبہ ہوا کہ مسلمان مکے پر حملہ کرنے آئے ہیں۔ جب قریش کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ ہم محض حج کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔ اور ہم چاہتے کہ قریش کے ساتھ صلح ہو جائے۔ چنانچہ کچھ قیل و قال کے بعد صلح کی چند شرطیں طے ہو گئیں۔ اور مسلمان بغیر حج کئے واپس آ گئے۔ بعض مسلمانوں نے اس کو بہت برا سمجھا۔ حضرت صاحبؐ نے اس موقع پر صلح کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اگر لڑائی ہوتی تو ایک مسلمان بھی زندہ واپس نہ آتا۔ کیوں کہ وہ بالکل جنگ کے لئے تیار تھے۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کہلاتا ہے۔

اس صلح کے بعد مسلمانوں کی طاقت دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ حضرت صاحبؐ نے مختلف مقامات پر اپنے واعظ بھیجے۔ اور مختلف سلطنتوں کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دی۔ کئی سلطنتوں نے اسلام کی بہت قدر کی اور مسلمانوں کو وعظ کرنے کی کھلی اجازت مل گئی۔

قریش کے لوگ صلح تو ضرور کر چکے تھے۔ مگر اسلام کی ترقی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ اسی تاک میں رہتے تھے کہ جب موقع ملے اسلام کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ وہ برابر چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ ایک دفعہ انھوں نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے آدمی کو عین کعبے میں قتل کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے قاصد بھیجا کہ کیا آپ حدیبیہ کے صلح نامے کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے۔ قریش نے ٹال مٹول کرنا چاہا۔ اور آخر کہہ دیا کہ وہ صلح نامہ قائم نہیں رہ سکتا۔

اب آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ روز روز کی جھک جھک ٹھیک نہیں ہے۔ اب قریش کو ایسا سبق سکھانا چاہئے کہ آئندہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے زور شور سے مکے پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور دس ہزار جرار فوج لے کر ۸ ہجری میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ قریش پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو جائے۔ اور وہ بلا جنگ کئے اطاعت قبول کر لیں۔ چنانچہ مکے سے چند میل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال دئے۔ اور سب نے اپنے اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلا دی۔ قریش یہ دیکھ کر کہ اس قدر اسلامی لشکر مکے پر چڑھ آیا ہے ڈر گئے۔ ابوسفیان جو اسلام کا جانی دشمن تھا، گو وہ دل میں اسلام کی روحانی قوت کو محسوس کرتا تھا، قاصد بن کر گیا۔ لیکن حضرت صاحبؐ کے نیک سلوک سے متاثر ہو کر اس نے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لی۔ حضرت صاحبؐ نے دریا دلی سے اسے معاف کر دیا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے واپس جا کر اعلان کر دیا کہ اب اسلام کا مقابلہ کرنا بے سود ہے جو شخص امان چاہتا ہے یا تو میرے گھر میں چلا آئے یا اپنا دروازہ بند کر لے۔ کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی۔

اب اسلامی لشکر مختلف طرفوں سے مکے میں داخل ہوا۔ حضرت صاحب نے فوج کے افسروں کو سخت حکم دے دیا کہ مکے والوں پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے اپنے رفیقوں کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔ شہر کے لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ نہ جانے اب کیا ہو گا۔ شاید آنحضرتؐ قتل عام کا ہی حکم دے دیں۔ اس لئے بہت سے لوگ شہر سے بھاگ جانے کا انتظام کر رہے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگ اس قدر خوف زدہ ہو رہے ہیں تو آپ نے اعلان کر دیا "کوئی مسلمان تلوار نہ چلائے۔ اور کوئی شخص شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ آج لڑائی اور انتقام کا دن نہیں ہے بلکہ آج شفقت اور رحمت کا دن ہے۔ میں تمھارا دشمن ہو کر نہیں آیا ہوں۔ اور نہ تم سے کسی قسم کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

میں تم سے وہی سلوک کروں گا۔ جو یوسفؑ نے مصر میں اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ میں تم کو جھڑکی تک بھی نہ دوں گا۔"

یہ اعلان سن کر لوگوں کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ واقعات پیش آئے جن کی مثال شاید ہی دنیا کی تواریخ میں کہیں ملتی ہو۔ ابو سفیان کو جو پہلے مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، آنحضرتؐ نے مکے میں داخل ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔ اس کی بیوی ہندہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے خاوند نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئی۔ اور اپنے خاوند کی داڑھی پکڑ کر اسے جوتیوں سے خوب پیٹا۔ اور اس کے منھ پر تھوکا۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ کہ نہ جانے مجھے کیا سزا ملے۔ کیوں کہ اس نے لڑائی میں آنحضرتؐ کے چچا حمزہؓ کی لاش کا پیٹ چاک کر کے اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا۔ جب وہ آں حضرتؐ کے سامنے آئی تو شرم کے مارے منھ پر نقاب ڈال کر آئی۔ آں حضرتؐ نے کہا۔ اے ہندہ میں خوش ہوں کہ تو اپنے اعمال پر پشیمان ہے۔ تو صرف ایک خدا کی پرستش کیا کر۔ ہر گز جھوٹ نہ بولا کر اور ہمیشہ بدکرداری سے پرہیز کیا کر۔ یہ کہہ کر اسے بالکل معاف کر دیا۔ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئی۔

عکرمہ کو جس نے مکے میں داخل ہوتے ہی دو بے گناہ مسلمانوں کو تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کی بیوی کی سفارش پر معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص ہبار نامی کو جس نے آں حضرتؐ کی لڑکی زینب کو جب کہ وہ حاملہ تھیں، پتھر مار کر ہلاک کر دیا تھا معاف کر دیا۔

طائف کے لوگوں نے جب آں حضرتؐ وہاں گئے تھے تو انھیں پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا۔ پھر سر اٹھایا۔ ان پر چڑھائی کر کے ان کے قلعے فتح کر لئے۔ اور چھ ہزار فوجیوں کو قید کر لیا۔ لیکن وہاں کے لوگوں کی طرف سے یہ یقین دلانے پر کہ وہ ہمیشہ وفادار رہیں گے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور کسی کو بھی مسلمان بننے پر مجبور نہ کیا۔ حالاں کہ اگر وہ چاہتے تو سب کو مسلمان بنا سکتے تھے۔

اب اسلام تمام عرب میں پھیل چکا تھا۔ اور عربوں نے آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ آپ نے تمام صیغوں کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ محصول اور لگان کی وصولی کے قواعد بنائے۔ فوجوں کی باقاعدہ ترتیب اور تربیت کا انتظام کیا۔ سرحد کی حفاظت کے لئے چھاؤنیاں بنائیں۔ ہر ایک کے لئے آمدنی کا خاص حصہ زکوٰۃ میں دینا ضروری قرار دیا۔ مختلف قبیلوں کی بغاوتوں کو رفع کرنے کا خاص انتظام کیا۔

آس پاس کی عیسائی حکومتوں کو اسلام کی ترقی بہت ناگوار گزرتی تھی۔ اور وہ اکثر کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی تھیں۔ ان کی سرکوبی کا بھی خوب انتظام کیا اور تمام اردگرد کے حاکموں کے ساتھ عہد نامے کر لئے تاکہ تمام ملکوں میں امن دامان قائم رہ سکے۔ اب انھوں نے نہایت دھوم دھام سے حج کی تیاریاں کیں اور اس حج کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان شامل ہوئے۔ چند ہی سال میں اسلام کا تمام عرب میں پھیل جانا اور مختلف مخالف فرقوں اور قبیلوں کا آں حضرتؐ کا پیرو دین جانا دراصل ایک معجزہ تھا۔ شاید ہی کسی اور پیغمبر کو اپنی زندگی میں اس قدر کامیابی نصیب ہوئی ہو۔ اس حج کے موقع پر ہر طرف بہشتی نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ جہاں چھوٹے بڑے امیر و غریب کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ہر طرف

انسانی مساوات کا دل کش اور دل فریب منظر تھا۔ اور سب اپنے محبوب کے گرد جمع ہوکر اپنے خالق خداوند تعالیٰ کی پرستش اور عبادت میں مصروف تھے۔

اب بیس بائیس سال کی لگاتار محنت اور مخالفوں کی سختیوں اور اذیتوں اور نیز جنگ و جدل و ملکی انتظام کی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ کا جسم بہت کمزور ہوگیا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید ان مشکلات کا کبھی کا شکار ہوگیا ہوتا۔ مگر انسان آخر انسان ہے اس کی جسمانی طاقتیں آخر جواب دینے لگتی ہیں

چنانچہ آپ ۱۱ھ میں بیمار ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضؓ اور ان کے رفیقوں نے ان کی تیمار داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ آخری دن مسواک سے منہ صاف کیا۔ اور دوشنبہ کے دن ۸ جون ۶۳۲ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ مسلمانوں کو ان کی جدائی کا بے حد رنج ہوا۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کو بہت بہت دلاسا دیا۔ آخر وہ سب اس واقعہ کو خدا کی مرضی سمجھ کر چھاتی پر پتھر رکھ کر کے بیٹھ گئے۔

— ۶ —

آں حضرتؐ کی عادات بہت سیدھی سادی تھیں۔ ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ کرتہ، چادر اور تہ بند کے سوائے اور کپڑا نہ پہنتے تھے۔ خوراک کی سادگی کا تو یہ حال تھا کہ شاید غریب مزدور بھی آج کل ایسی سادہ خوراک نہ کھاتا ہو۔ جو کا آٹا ہانڈی میں آگ پر چڑھا دیا اور اوپر سے کچھ زیتون کا تیل، زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں اور آپ کا کھانا تیار ہوگیا۔ اکثر کھجوریں کھا کر ہی گزارہ کر لیا کرتے۔ غرض جو سامنے آتا وہی خدا کا شکر کرکے کھا لیتے تھے۔

صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خود اپنے ہاتھ سے اپنے مکان میں جھاڑو دے لیا کرتے تھے۔ اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے تھے اور پھٹے پرانے کپڑے خود سی لیا کرتے تھے۔ ان کے مکان میں ایک چارپائی، ایک پانی کی مٹلیا اور ایک بورئے کے سوائے اور سامان موجود نہ رہتا تھا۔ ہمیشہ وہ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اوائل عمر میں وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ گھر بار کے کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہمیشہ ہاتھ بٹاتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے۔ بازار سے سودا سلف خرید لاتے۔ اونٹوں کو باندھ لیتے۔ اور ان کے آگے چارہ ڈالتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام سے انھیں عار نہ تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر انھوں نے مسجدیں بنائیں۔ مزدوروں کا کام کیا۔ کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے اور منھ کو خوب صاف کرتے تھے۔ داتن (مسواک) کیا کرتے تھے۔ بالوں میں ہمیشہ کنگھی کرتے اور کبھی کبھی تیل بھی لگایا کرتے تھے۔

انھوں نے اپنی سادہ زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ کسی قسم کا کام یا پیشہ ذلیل نہیں، بشرطیکہ راست بازی اور دیانت داری کو مدنظر رکھا جائے۔

مزاج میں انکساری غضب کی تھی۔ کوئی تعظیم کو کھڑا ہوتا تو اسے منع کر دیتے۔ خواہ کوئی غلام بھی کھانے کو بلاتا تو اس کے ہاں بلا تکلف چلے جاتے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ جب کسی مجمع میں جاتے تو سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو اس میں ہرگز دخل نہ دیتے تھے۔ اگر کچھ کہنا ضروری ہوتا تو بہت حلیمی اور عاجزی

سے کہتے۔آپ کا دل دشمنی عداوت، انتقام، سخت گیری اور درشت کلامی کے ناپاک جذبات سے پاک تھا۔ ہمیشہ معافی اور درگزر کے لئے تیار رہتے تھے۔ جیسا کہ مکے کی فتح کے وقت بہت سے واقعات سے ظاہر ہوا۔ سچائی، دیانت داری اخلاق ان کی فطرت کے جزو بن گئے تھے ہر وقت اپنے پیرؤوں کو راست بازی کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ان کی فیاضی بے مثال تھی۔ حتی الامکان کسی کے سوال کو رد نہ کرتے تھے۔ خود تکلیف اٹھا کر اور بھوکا رہ کر دوسروں کے سوال کو پورا کرتے تھے۔ مال و دولت ہرگز جمع نہ کرتے تھے بلکہ جب تک مال تقسیم نہ کردیتے ان کو چین نہ پڑتا تھا۔ غریب، یتیم اور محتاجوں کی امداد کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انھوں نے غلاموں کے حقوق آقاؤں پر قائم کئے۔ اور عورتوں اور بچوں کے حقوق مردوں پر قائم کئے۔

جب کسی کی بیماری کی خبر سن لیتے تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتے۔ جب کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے کے ساتھ جاتے۔ انسان کا تو ذکر کیا وہ بے زبان جانوروں پر بھی بہت ترس کھاتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جانوروں کی لڑائی کو عرب کے ہر مقام پر بالکل بند کر دیا تھا۔ لاغر جانوروں کو دیکھتے تو کہا کرتے اے لوگو! بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ مہمان نواز اول درجے کے تھے۔ جب کوئی مہمان آجاتا تو اپنا کھانا اس کو کھلا دیتے۔ آپ بہت شیریں زبان تھے، سب سے بہت نرمی اور ملائمت سے گفتگو کرتے تھے۔ آپ ہرگز کسی کو بد دعا نہیں دیتے تھے۔

خداوند تعالیٰ کی بخشش و رحمت پر ایسا زبردست اعتقاد رکھتے تھے کہ بڑی بڑی مصیبتوں میں حوصلہ نہ ہارتے تھے۔ اسی وجہ سے مٹھی بھر آدمیوں سے دشمنوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ کامیابی سے کرتے رہے۔ غار ثور میں جب جا کر ابوبکر رض کے ساتھ چھپے تھے تو دشمنوں کی آہٹ سن کر ابوبکر رض گھبرا گئے اور کہا کہ اے رسول اب ہم دو ہیں۔ زور سے کہا نہیں ہم تین ہیں۔ یعنی تیسرا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کیسا زبردست ایمان ہے۔

حضرتؐ کے چند واقعات

ہم ذیل میں حضرت صاحبؐ کے متعلق چند روایات درج کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو کیسی کیسی خوبیاں عطا کی تھیں۔

۱۔ ایک یہودی کا کسی مسلمان سے جھگڑا ہو گیا اور فیصلہ آں حضرت پر چھوڑا گیا۔ حضرت نے بے رو رعایت تحقیقات کی اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ اور مسلمانوں کی ناراضگی کی مطلق پروا نہ کی۔

۲۔ ایک شخص کو چوری کے الزام میں گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ کئی بڑے بڑے آدمیوں نے اس کی سفارش کی مگر آں حضرتؐ نے انصاف کو مد نظر رکھ کر سفارشوں کی مطلق پروا نہ کی۔ اور حکم دے دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے لئے یہی حکم دیتا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔

۳۔ ایک دفعہ ایک یہودی کا کچھ روپیہ حضرت کو دینا تھا۔ وہ یہودی تقاضا کرنے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا۔ حضرت عمر رض کو اس پر بہت غصہ آیا مگر حضرت صاحبؐ نے فرمایا۔ اے عمر رض یہ بات ٹھیک نہیں۔ تجھے چاہئے تھا کہ ہم دونوں کو نصیحت کرتا کہ قرض خواہ کو نرمی سے مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور مجھے نیکی سے روپیہ واپس کرنا چاہئے۔ حضرت نے یہودی

کو پاس بٹھایا اور اس کو قرضے سے کچھ زیادہ دے کر رخصت کیا۔ اس نیک سلوک کا یہودی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ ان کا مرید بن گیا۔

۴۔ ایک دفعہ آپ اپنے احباب کے ساتھ کہیں دور جنگل میں سیر کو گئے۔ جب کھانا بنانے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ غرض وہ کبھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ اور ہمیشہ خواہ کیسا ہی چھوٹا کام ہو۔ کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

۵۔ ایک دفعہ ایک شخص کو کسی قصور کے عوض آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ آپ کو دیکھ کر کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ارے ڈرتا کیوں ہے۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب قریش عورت کا لڑکا ہوں۔ جو کئی دفعہ غریبی کی وجہ سے سوکھا گوشت کھا کر ہی گزارہ کر لیتی تھی۔

۶۔ ایک دفعہ کئی صحابی جنگ پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے گھر کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہ آتا تھا۔ آپ ہر روز ان کے گھر جا کر دودھ دوہ آیا کرتے تھے۔ اسی طرح غریب عورتیں ان کے پاس آکر مختلف کام بتلا دیتی تھیں۔ اور وہ اٹھ کر سب کے کام کر آتے تھے۔

۷۔ ایک دفعہ مدینے کے چند بدو ان کے ہاں مہمان ہو کر آئے۔ ایک بدو کو زیادہ کھانے کی وجہ سے رات کو بہت دست آگئے اور بستر خراب ہو گیا۔ وہ صبح ہی شرم کے مارے اٹھ کر چلا گیا۔ آپ نے اٹھ کر اس کی غلاظت کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔ لوگوں نے کہا ہمارے ہوتے ہوئے آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اپنے مہمان کی ہر ایک قسم کی خدمت کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔

۸۔ ایک دفعہ ایک رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ لاد کر آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت بلال رضؓ نے غلہ بیچ کر یہودیوں کا قرضہ ادا کیا۔ جب بلال رضؓ واپس آئے تو پوچھا کیا کچھ غلہ بچا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ابھی غلہ باقی ہے۔ تو فرمایا کہ جب تک باقی غلہ غریبوں میں تقسیم نہ ہو جائے میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس رات مسجد میں ہی قیام کیا۔ اور اگلے دن تمام غلہ تقسیم کرا کے گھر گئے۔

حضرت صاحب کی تعلیم

آپ نے مسلمانوں کے چار فرائض قائم کئے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ پچھلے دو ان لوگوں کے لئے ضروری قرار دئے جنھیں روپیہ خرچ کرنے کی طاقت ہو۔

انھوں نے ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کی پرستش کی تعلیم دی۔ وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ سب انسان برابر ہیں اور ان کے حقوق بھی برابر ہیں۔

ایسے شخص کو جو بدی کی زندگی بسر کرتا ہے نماز بھی نہیں بچا سکتی۔ تمہارا چلن ہی ہے جس پر سزا اور جزا کا انحصار ہے۔

اے مسلمانو! تم دوسروں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ تب ہی تمہارا ایمان ٹھیک ہو سکتا ہے۔

کسی شخص کی ضرورت کو پورا کر دینا تمام عمر خدا کی عبادت کے برابر ہے۔

ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی خلقت کو آرام پہنچانا ہے۔

جو بڑوں کی تعظیم نہیں کرتا اور بچوں پر شفقت نہیں کرتا وہ میری امت میں نہیں ہے۔

جھگڑا کرنے والا انسان خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

جس نے اپنی زبان اور خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھا ہے میں اس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔

تمھارا ہمسایہ اگر تم سے امداد مانگے تو اس کی امداد کرو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر تم سے اسے کوئی کام پڑے تو پورا کرو۔ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرو۔ اور مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔ جب کوئی خوشی کا موقع ہو تو اسے مبارک باد دو۔ جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرو۔

کچھ پرواہ نہیں۔ اگر دنیا کی اور چیزیں تیرے پاس نہ ہوں۔ مگر یہ چیزیں ضرور ہونی چاہئیں (۱) راست گفتاری (۲) دیانت داری (۳) خوش خلقی (۴) حلال کی کمائی۔

خادم کا قصور دن میں ستر دفعہ معاف کرو۔

اللہ تعالےٰ تمھاری صورتوں اور دولت کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمھارے کاموں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

ہر ایک نیک کام خیرات ہے۔ کسی کو نیک کام کی ہدایت کرنا بھی خیرات ہے۔ بھولے بھٹکے کو راستہ دکھانا۔ اندھے کی مدد کرنا۔ راستہ میں سے پتھر اور کانٹے اٹھا دینا۔ پیاسے کو پانی پلا دینا۔ یہ سب خیرات کے کام ہیں۔

اے مسلمانو! یاد رکھو۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی عزت کرنا لازمی ہے۔ پرائے مال پر نگاہ رکھنا حرام ہے۔ جو جیسا کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔ عورتوں کے ساتھ ہمیشہ نیک برتاؤ کرنا۔ کسی کی حق تلفی نہ کرنا۔ اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ کرنا۔

خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اسی کے قبضے میں سب کچھ ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔

جو چیز اولاد کے لئے بازار سے لاؤ سب سے پہلے لڑکی کو دو۔

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا۔

ایسا اشارہ کرنا بھی حرام ہے جس سے دوسروں کو رنج پہنچے۔

نوٹ: یہ مضمون رائے صاحب شری لالہ رگھوناتھ سہائے بی اے کا لکھا ہوا ہے۔ وہ تقسیم سے پہلے انجمن اتحاد مذاہب (لاہور) کے صدر تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۰ میں پنجاب آرٹ پریس، بیرون موری دروازہ، لاہور سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کے ۱۸۳ صفحات تھے اور اس کا نام تھا: "روشن ستارے"۔ اس کتاب میں دس "نامور مذہبی بزرگوں کے حالات" درج تھے۔ اس کا ایک باب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ یہ باب مکمل طور پر یہاں نقل کیا گیا ہے۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں ، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں ۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی ۔

تجربہ یہ ہے کہ یک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے ۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے ۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے ۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متعلق اس کی ایجنسی لے ۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے ۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں ۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں ۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں ۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے ۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے ۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے ۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں ۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں ۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے ۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا ۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے ۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں ۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں ، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں ۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں ۔

اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

مذہب اور جدید چیلنج

صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰

زلزلۂ قیامت

صفحات ۶۴ قیمت ۳/-

اسلامی دعوت

صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

قرآن کا مطلوب انسان

صفحات ۸۰ قیمت ۴/[illegible]

تجدید دین

صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

اسلام دین فطرت

صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

MAKTABA AL-RISALA, Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi-6

Regd. D. (D) No. 532
Regd. R.N. No. 28822/76

October 1979
Issue No. 35

AL-RISALA MONTHLY